انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی

فتح باب نبوت پہ بے حد درود

ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

فدایان ختم نبوت کا ترجمان

العاقب لاہور

رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ / اگست 2011ء

شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ خادم حسین رضوی

خون خیرالرسل سے ہے جن کا خمیر — اُن کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ — جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

سیدہ کائنات، شہزادیٔ رسول، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا۔ وصال: ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ

[illegible]

وہ مبارک حجرہ جہاں رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی لاڈلی محبوب شہزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اگست 2011ء
رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

انا العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ نبی

سرپرست

فدایانِ ختم نبوت پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ العاقب لاہور

خادم حسین رضوی

مدیر
محمد وحید نور

جلد 4
شمارہ 7

قیمت 20 روپے

سالانہ 300 روپے

مجلس مشاورت
محمد ہمایوں
حافظ محمد فرحان
حافظ محمد سعد
محمد ساجد الرحمن

خط و کتابت
جامع مسجد رحمۃ للعالمین
مدینہ کالونی
نزد گرینڈ بیٹری سٹاپ
متصل شیل پٹرول پمپ
ملتان روڈ لاہور

0321-4370406
0300-4627470

فہرست

- اداریہ — 3
- علامہ فضل حق — 9
- احکام و مسائل رمضان — 16
- تعداد رکعاتِ تراویح — 28
- نمازِ تراویح میں چند توجہ طلب پہلو — 32
- مولانا سید کفایت علی کافی — 38
- خدارا! تاریخ سے انصاف کریں — 39
- پاکستان کے حقیقی معمار کون؟ — 44
- دو قومی نظریہ اور علمائے اہلسنت — 49
- پاکستان اور — 54
- کراچی میں — 61

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

مدیر

تمام قارئین کرام اور اہل اسلام کو رمضان المبارک کی پُر کیف ساعتیں مبارک ہوں۔ اللہ رب العزت خاتم الانبیاء والرسل، جان دو عالم ﷺ کے طفیل تمام مؤمنین، مؤمنات کو رمضان المبارک میں اپنے روحانی درجات خُوب بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وطن عزیز پاکستان کو تمام ظاہری و باطنی دشمنوں، شریروں اور حاسدین سے محفوظ و مامون فرمائے۔ آمین ثم آمین

شرم تم کو مگر آتی نہیں............

موجودہ حکمرانوں کی اسلام پسندی کا تصور بھی جب دماغ میں آئے تو ذہن فوراً اسے حرف غلط کی طرح ختم کر دیتا ہے۔ ہمارے صدر محترم نے وعدوں کے حوالے سے فرمایا تھا کہ ”وعدہ کوئی قرآن و حدیث تو نہیں..........“ اسی طرح صوبہ پنجاب میں برسر اقتدار پارٹی کے سربراہ نے آئینی طور پر غیر مسلم قرار دیے گئے قادیانیوں امرزائیوں کے حوالے سے کہا تھا کہ ”قادیانی ہمارے بہن بھائی ہیں......“ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کے صاحبزادے تو ج کرپشن میں باقاعدہ عدالتوں کے چکر لگا رہے ہیں اور شفاف تحقیقات کے نتیجے میں وزیر اعظم کے لخت جگر اور ایک قریبی ساتھی بھی عنقریب اسی لائن میں کھڑے ہونے والے ہیں لیکن شفاف تحقیقات اولین شرط ہے۔ ان کے علاوہ کراچی و حیدر آباد کی لسانی سیاسی تنظیم کے سربراہ کی دین بیزاری اپنی مثال آپ ہے۔

خیر بات ہو رہی تھی حکمرانوں کی دین بیزاری کی تو لیجیے جناب ایک اور افسوس ناک خبر یہ ہے کہ ● مورخہ 11 جولائی 2011ء کو روزنامہ جنگ لاہور کے صفحہ: 6 پر محکمہ بہبود آبادی حکومت پنجاب کی طرف سے ”کم آبادی زیادہ خوشحالی“ کے عنوان سے اشتہار شائع ہوا جس میں ایک کارٹون (خاکہ) میں داڑھی شریف کی تضحیک و توہین کی گئی ہے۔ اس کارٹون میں

زیادہ بچوں کے ضمن میں ایک عورت کے سر کی چوٹی کے ساتھ ایک کپڑا باندھا دکھایا گیا ہے جس کا دوسرا سرا اُس کے شوہر کی داڑھی کے ساتھ باندھا گیا ہے اور اس کپڑے میں ایک بچہ جھولا جھول رہا ہے۔

مسلم ملک، مسلم معاشرہ اور شعائر اسلامی کی توہین چہ معنی دارد؟ داڑھی شریف تو خصلت اسلام سے ہے بلکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ تک جمیع انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام کی سنت مبارکہ ہے۔ حکومت پنجاب یا وزارت بہبود آبادی کے ذمہ داران کو اگر اس کارٹون میں توہین کا پہلو سمجھ نہ آئے تو وہ داڑھی والے شخص کی جگہ "بڑے میاں صاحب" یا "چھوٹے میاں صاحب" کے سر کے پیوست شدہ بالوں یا وزیر قانون پنجاب کی مونچھوں سے کپڑا باندھ کر بچے کو جھولا جھلائیں اور پھر اپنا اور اپنے عہدوں کا اور قانون حرکت میں آنے کا تماشا دیکھیں۔

● اسی طرح 20 جون 2011ء کو روزنامہ ایکسپریس میں خیبر پختونخواہ (سرحد) کے سینئر صوبائی وزیر بشیر بلور کا بار کونسل سے خطاب کے ضمن میں یہ خرافاتی جملہ شائع ہوا کہ "اللہ اکبر کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے"۔

یہ ہرزہ سرائی یقیناً اسلام اہل اسلام اور غیور مسلمانوں کی توہین و تضحیک ہے۔ مقام حیرت ہے کہ بلور کی اس توہین کے وقت اس بار روم میں کیا کوئی ایک بھی غیرت مند مسلمان موجود نہیں تھا جو فوراً کھڑا ہو کر بلور کو عقل دلاتا۔ بھیک اور غیروں کے ٹکڑوں پر پلنے کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی اپنی غیرت و خودداری ہی مرجاتی ہے۔

یوں تو پختونوں کے حقوق کی نام نہاد چیمپئن عوامی نیشنل پارٹی (A.N.P) کے قوم پرست لیڈروں کی پوری تاریخ اسلام اور پاکستان دشمنی سے بھری پڑی ہے۔ حال ہی میں منظور ہونے والی آئینی ترمیم میں سفارشات پیش کرتے وقت اسی پارٹی کے رہنما حاجی عدیل نے کہا تھا کہ ملک کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کی جگہ جمہوریہ پاکستان ہونا چاہیے اور صدر و وزیر اعظم کے عہدے کے لیے مسلمان ہونے کی شرط بھی ختم ہونی چاہیے۔

قیام پاکستان کے وقت قوم پرست لیڈروں سرحدی گاندھی عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان وغیرہ نے ریفرنڈم میں پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

اس پارٹی کے لیڈروں کی ملک دشمنی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی بھر رہے تو پاکستان میں' اور مفادات بھی پاکستان سے حاصل کرتے رہے لیکن موت سے قبل عبدالغفار خان نے وصیت کی تھی کہ اسے مرنے کے بعد پاکستان دفن نہ کیا جائے چنانچہ اسے اس کی وصیت کے مطابق جلال آباد (افغانستان) میں دفن کیا گیا۔

1971ء میں جب سرحد میں مفتی محمود کی پارٹی ڈیل کے تحت اپنا وزیراعلیٰ لانے کی پوزیشن میں ہو گئی تو عبدالغفار خان کے بیٹے 'عبدالولی خان (باپ اسفندیار ولی) نے کہا "ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے مُلّا اب ہم پر حکومت کرنا چاہتے ہیں"۔

عوامی نیشنل پارٹی کا شروع ہی سے ایجنڈا قوم پرستی اور لسانی تفریق رہا ہے۔ اسی ایجنڈے کا حصہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والے تمام مسلمان اسلام کے پیغام وحدت و بھائی چارے کو چھوڑ کر ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ جائیں اور خود کو پنجابی، سندھی، بلوچی، پختون وغیرہ کی حیثیت سے پیش کریں نہ کہ مسلمان یا پاکستانی ہونے کی حیثیت سے۔

بشیر بلور کو نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" کے حوالے سے جو تکلیف پہنچی ہے وہ اُس اکیلے کی فکر و سوچ نہیں بلکہ اس طبقے کے روحانی خداؤں رُوس اور انڈیا کو بھی اس نعرۂ مستانہ سے یہی شکوہ رہا ہے اور رہے گا۔

● تیسری خبر یہ ہے کہ برطانوی نشریاتی ادارے بی بی سی نے 5 اکتوبر 2005ء کو شمالی علاقے میں پاکستانی ہم جنس پرستوں کی شادی کی خبر کو نشر کیا اور ایک ڈاکو منٹری پیش کی تھی جس کے صرف تین دن بعد 8 اکتوبر 2005ء کو اس پورے خطے میں زبردست زلزلہ آیا تھا۔ اس زلزلے کو اہل فہم و فراست ہم جنس پرستی کے وبال و سزا سے تعبیر کر رہے تھے۔

جون 2011ء کے آخری عشرے میں اسلام آباد میں موجود امریکی سفارت خانے میں ہم جنس پرستوں کو تحفظ اور سرپرستی مہیا کرنے کے لیے ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں ملک بھر سے چیدہ افراد کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب کا اہتمام "گے اینڈ لزبین فارن افیئرز ایجنسی" نے امریکی سفارتخانے کی مدد سے کیا تھا۔

یہ ایجنسی 1992ء سے دنیا بھر میں ہم جنس پرستی کو فروغ دینے، ہم جنس پرستوں کو تحفظ فراہم کرنے اور بالخصوص مسلمان ممالک میں ہم جنس پرستی رائج کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔

26 جون 2011ء کو اسلام آباد کے امریکی سفارتخانے کی جانب سے جاری کی جانے والی پریس ریلیز کے مطابق دعوت ناموں کا اجراء سفارت خانے میں جشن کا سماں منعقد کرنے کی خاطر کیا گیا تھا جس میں پاکستان کے ہم جنس پرستوں نے شرکت کی۔

ملک بھر میں جب ہم جنس پرستوں کی ہونے والی پارٹی پر صدائے احتجاج بلند ہوئی تو امریکی محکمہ خارجہ نے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے ہمیں کسی باضابطہ شکایت کا علم نہیں ہے۔ امریکہ ہم جنس پرستوں کے "حقوق" کی بھرپور حمایت کرتا ہے۔

امریکی سفارتخانے میں اجتماع اور امریکی محکمہ خارجہ کی طرف سے وضاحت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ پاکستان کو گمراہوں کی آماجگاہ بنا کر اس کا اسلامی تشخص ختم کرنا چاہتا ہے۔ ہم جنس پرستوں کا اجتماع ملکی نظریاتی سرحدوں پر کھلا حملہ ہے۔ امریکہ مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کا بڑا دشمن ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت افغانستان میں امریکی سرپرستی میں قائم کیے گئے ہم جنس پرستی، شراب نوشی اور جوئے کے اڈے ہیں۔ امریکہ پاکستان سے بھی اسلامی تہذیب و ثقافت ختم کر کے غیر اسلامی و غیر اخلاقی کلچر کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اس اجتماع کے حوالے سے تاحال حکومتی خاموشی سوالیہ نشان ہے۔ ہمارا حکومت سے مطالبہ ہے کہ امریکی سفیر کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک بدر کیا جائے اور ہم جنس پرستوں کے اجتماع کے شرکاء کو حدود قوانین کے تحت سزا دی جائے۔

مجاہد کبیر علامہ فضل حق خیر آبادی کے یوم شہادت کے 150 سال

متحدہ ہندوستان اور موجودہ پاکستان کی تاریخ کو مدنظر رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنگ آزادی 1857ء ہی قیام پاکستان یا اسلامی نظریے کی بنیاد پر ایک الگ ریاست کی بنیاد بنی یعنی قیام پاکستان کی خشت اول ایک لحاظ سے جنگ آزادی 1857ء ہی ہے۔ جنگ آزادی 1857ء کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو ذہن فوراً اس جنگ کی قیادت کرنے والے عالم ربانی، امام المتکلمین، قائد حریت، قائد تحریک آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ﷫ اور ان کے مخلص ساتھیوں کی جانب جاتا ہے۔ 1857ء کی پوری تاریخ ہمارے اکابر علماء اہلسنت کی قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ دہلی سے روہیل کھنڈ اور روہیل کھنڈ سے لکھنؤ تک ہر محاذ پر اہلسنت و جماعت کے سپوتوں نے ہی مرد میدان بن کر فرنگی سامراج کا ڈٹ کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ان دیگر شیروں میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ، جلیل القدر عالم و فاضل مولانا سید احمد اللہ شاہ مدراسی، بلبل چمنستان رسالت مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی، عظیم سُنی مجاہد جرنل بخت خاں روہیل، شہزادہ فیروز شاہ، فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

تقریباً ڈیڑھ صدی سے ایک مخصوص مکتب فکر کی جانب سے ایسی تاریخ سازی کی جا رہی ہے جس میں اکابر اہلسنت کے کردار کو فراموش کرنے یا داغدار بنانے کی ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ اس مخصوص مکتب فکر کی جانب سے ہمارے بزرگوں کی للّٰہیت اور اخلاص پر مبنی کوششوں اور کاوشوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ہمارے اکابر نے اپنی دینی خدمات میں رتی بھر بھی نمود و نمائش اور دکھاوے کی آمیزش نہیں ہونے دی یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر قدم اپنے دین، علم، قوم، ملک، وطن کے لیے ہوتا تھا اور وہ اُسے ضبط تحریر میں لانے کی ضرورت و حاجت محسوس نہیں کرتے تھے۔

ہمارے اکابر کی انہی خلوص بھری کاوشوں کا مخالفین نے یوں فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے تاریخی حقائق کو بیان کرنے کی بجائے نئی تاریخ گھڑنی شروع کردی۔ یہ تاریخ سازی بھی اس انداز کی ہے کہ الامان والحفیظ مثلاً فاتح عیسائیت مولانا رحمت اللہ کیرانوی 1858ء میں ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مستقل قیام پذیر ہو گئے تھے۔ مگر ایک عرب مؤرخ کے بقول مولانا کیرانوی دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ اب یہ ایسا تاریخی جھوٹ ہے کہ اس کا جواب قرآن کریم کے انداز میں لعنت اللہ علی الکاذبین کے سوا کیا دیا جاسکتا ہے؟ زمانہ جانتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند 1866ء میں قائم ہوا اور مولانا کیرانوی 1858ء میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ مستقل تشریف لے جاچکے تھے۔ اب 8 سال بعد قائم ہونے والے مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کا عقدہ "تاریخ ساز حضرات" ہی حل کرسکتے ہیں۔

اسی طرح شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ﷫ کی سوانح میں ہیر پھیر کی انوکھی مثال قائم کی ہے حالانکہ حضرت حاجی صاحب نے "فیصلہ ہفت مسئلہ" نامی رسالے میں ایک زناٹے دار تھپڑ یا تازیانہ مخالفین کی عقائد باطلہ پر رسید کیا ہے اور خود کو اُن سے بری الذمہ ثابت کیا ہے۔

دجال قادیاں مرزا قادیانی کا اولین رد فرمانے والے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری نور اللہ مرقدہ کے ساتھ بھی یہی ظلم روا رکھا گیا ہے حالانکہ حضرت قصوری نے رسوائے زمانہ کتاب براہین قاطعہ کے مصنف خلیل احمد انبیٹھوی کی 1306ھ میں بہاولپور میں تاریخی مناظرہ میں اہل علم کے سامنے پول کھولی تھی۔ مولانا قصوری نے اس تاریخی مناظرہ کی روداد "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" کے نام سے شائع کی جسے پڑھ کر مولانا کیرانوی ﷫ نے بھی فرمایا اب تک رشید (یعنی رشید گنگوہی) کو رشید (ہدایت یافتہ) سمجھتا تھا مگر یہ بہت نارشید (نہ ہدایت یافتہ' گمراہ) نکلا۔

یہ تو صرف چند ایک مثالیں ہیں ورنہ تفصیل میں جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ المختصر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ﷫ بھی ان متاثرین میں شامل ہیں جن پر تاریخ سازوں نے ناپاک وار کیے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری ﷫ "افسوس سارا زور قلم اس پر صرف کیا جاتا ہے کہ علامہ فضل حق جہاد آزادی میں شریک نہ تھے اور محض غلط فہمی کی بناء پر اُن کو عمر قید سنائی گئی۔ جو شخص پورے ملک میں جانا پہچانا ہو اور جس کو حاکم بھی اچھی طرح جانتا ہو اس کے متعلق غلط فہمی بعید از قیاس ہے۔ واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ علامہ دل سے انگریزوں کے مخالف تھے۔ وہ جنگ آزادی کے زمانے میں انگریز کے دوست کو واجب القتل سمجھتے تھے۔ کیونکہ جو انگریز کا دوست ہوگا وہ یقیناً مجاہدین کا دشمن ہوگا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کو سُنی حنفی ہونے کی وجہ سے ہدف بنایا گیا۔ یہ عجیب

بات ہے کہ مؤرخین نے جہادِ آزادی کے زمانے میں جس کے بارے میں انگریز دوستی کی ایک بھی شہادت نہیں اس کو انگریز دوست ثابت کیا اور جن کے بارے میں انگریز دوستی کی کئی شہادتیں موجود ہیں یعنی سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی وغیرہ اُن کو جہادِ آزادی کا قائد اور سلطنت اسلامیہ کا ہیرو ثابت کیا اور مستقل ثابت کیا جارہا ہے"۔

اسلاف کے زریں کارناموں کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کسی بھی قوم کی زندگی کی علامت سمجھی جاتی ہے اور اس سے قوتِ عمل میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رواں ماہ 20 اگست 2011ء یعنی 19 رمضان المبارک بروز ہفتہ کو علامہ فضل حق خیر آبادی ﷫ کو جامِ شہادت نوش فرمائے عیسوی سن کے اعتبار سے پوری ڈیڑھ صدی یعنی ایک سو پچاس سال ہو جائیں گے۔ (علامہ کا وصال 12 صفر المظفر ۱۲۷۸ھ / 20 اگست 1861ء کو ہوا)

اکثر علماء اہلسنت کا حدیث شریف میں سلسلۂ تلمذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ﷫ اور معقولات میں حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ﷫ سے ملتا ہے۔ یہ سلسلہ جو تقریباً ڈیڑھ، دو سو برس قبل جاری ہوا دینی، علمی اور رُوحانی شکل میں اب بھی جاری ہے اور ہم سب اس کے وارث اور جانشین ہیں لہٰذا علامہ فضل حق خیر آبادی ﷫ کے تمام خوشہ چینوں سے ہماری گزارش ہے کہ علامہ کے ڈیڑھ سو سالہ یومِ شہادت کی مناسبت سے رمضان المبارک کی پُرکیف ساعتوں میں عوام الناس کو عالمِ ربانی، علامہ فضل حق خیر آبادی نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ اور خدماتِ جلیلہ سے ضرور بالضرور متعارف کروائیں۔

پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

سالانہ ممبر شپ برائے ماہنامہ العاقب

جن حضرات کو ماہنامہ "العاقب" کی سالانہ ممبر شپ کے لیے معلومات درکار ہوں یا جنھوں نے سالانہ ممبر شپ کے لیے رکنیت فیس جمع کروائی ہو لیکن اُنھیں تا حال رسالہ موصول نہ ہو سکا وہ ازراہِ کرم محمد ساجد الرحمٰن صاحب سے رابطہ فرمائیں۔

0314/0332/0345*4250505

علامہ فضل حق خیرآبادی

14 رجب المرجب 1385ھ بروز سہ شنبہ بعد از نماز ظہر ختم خواجگان کے موقع پر آپ نے مولانا فضل حق خیرآبادی کے تجر علمی کا واقعہ بیان فرمایا کہ مولانا نے بچپن ہی میں اپنے والد ماجد مولانا فضل امام صاحب ﷺ کے پاس تمام علمی فنون حاصل کر لیے تھے۔ آپ کے والد ماجد وقت کے امام اور علامہ تھے۔ انہوں نے فنون کی کتابیں پڑھا کر مولانا صاحب کو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ﷺ کی خدمت میں دہلی شریف میں پیش کیا اور عرض کیا کہ اپنا لڑکا آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ براہ کرم اسے درس حدیث پاک میں شامل فرمائیں۔ شاہ صاحب نے نہایت خوشی کے عالم میں اجازت بخشی چونکہ وقت کے امام اور فاضل کا بیٹا تھا اس لیے بڑی مسرت اور توجہ کا اظہار فرمایا۔

مولانا کے والد نے بتایا کہ اس لڑکے نے چند ایک قصائد بھی سرکار مدینہ ﷺ کی شان اقدس میں لکھے ہیں تو شاہ صاحب نے قصیدہ سننے کی خواہش کا اظہار فرمایا' بچے کوئی قصیدہ سناؤ۔ مولانا نے نو عمری میں بنائے ہوئے قصائد میں سے ایک قصیدہ سنایا جو ادیبانہ و فاضلانہ انداز والا اور بلند پایہ تھا۔

لیکن تمام قصیدہ سے صرف ایک لفظ کے متعلق شاہ صاحب نے فرمایا کہ فلاں لفظ اس میں غریب ہے۔ مولانا اگرچہ بحیثیت شاگرد حاضر ہوئے تھے لیکن دیرانہ انداز آزادانہ عرض کیا کہ جناب اس طرح کے غریب الفاظ اہل لسان شعراء کے کلام میں بھی آئے ہیں لہٰذا اس میں سقم نہیں ہے۔

شاہ صاحب نے مثال دریافت فرمائی تو آپ نے مشہور شعراء کے نناوے شعر ایسے سنائے جن میں غریب الفاظ مستعمل تھے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کے گھٹنے کو دبایا اور فرمایا کہ اس وقت تو بحیثیت شاگرد حاضر ہے بزرگوں کا ادب لازم ہوتا ہے۔ والد صاحب کے فرمان وارشاد پر خاموش ہو گئے۔ ورنہ اور بھی پڑھنے کو بالفصاحت تیار تھے بلکہ موجود طلباء وعلماء کا کہنا ہے کہ مولانا کے اشعار سناتے وقت معلوم ہوتا تھا کہ ایک بحر بیکراں اُچھل کر اپنی فراوانی میں آ گیا ہے۔ اگر والد ماجد نہ روکتے تو خدا معلوم کتنے تک پڑھتے جاتے۔ بہرکیف اس وقت شاہ صاحب نے فرمایا مجھے سہو ہو گیا تھا۔

(خواجہ قمرالدین سیالوی ﷺ نے) فرمایا شاہ صاحب کے زمانہ میں شہنشاہ دہلی کی بیگم مذہب شیعہ رکھتی تھی اور ہمیشہ

بادشاہ کو کہتی تھی کہ ایران کے مجتہد اعظم کے ساتھ شاہ عبدالعزیز صاحب کا مناظرہ کرائیں تاکہ حق مذہب کا امتیاز ہو جائے۔ اگر ایرانی مجتہد غالب آ گیا تو میرا مذہب آپ بھی اختیار فرمالیں اور شاہ صاحب کے غالب آنے پر میں اہل سنت مذہب اختیار کرلوں گی۔ ایک گھر میں دو مذہب کا ہونا نامناسب ہے خاوند اور بیوی کا مذہب ایک ہی ہونا چاہیے۔

بادشاہ وقت پہلے تو ٹال مٹول کرتا رہا آخر عورت نے اپنا مطالبہ منظور کروالیا۔ شاہ صاحب سے بادشاہ نے کہا کہ ایرانی مجتہد آ گیا ہے آپ اس کے ساتھ مناظرہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ ایران سے نہ صرف ایک بلکہ اہل تشیع کے بہت سے مجتہد پہنچ گئے لیکن مقررہ تاریخ کے صرف ایک دن پہلے شاہ صاحب کے شاگردوں کو اس مناظرہ کا علم ہوا۔ وہ بھی اس طرح کہ شاہ صاحب نے چہرہ اقدس پر غم کے آثار بنالیے جن کو دیکھ کر آپ کے تلامذہ نے آپ کی پریشانی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا خیر ہے۔ لیکن باربار اصرار کرنے پر فرمایا کل ایرانی مجتہد کے ساتھ مناظرہ ہونا ہے۔ اس شخص کی علمیت بھی نامعلوم، ذات بھی غیر مشہور ہے۔ خدا معلوم وہ لوگ کس طرح کے اعتراض کریں گے؟ کہیں مہمل یا معمولی سا اعتراض کریں تو محال ہوگا۔ اگر عالمانہ بحث میں آ گئے تو حرج نہیں یقیناً مارے جائیں گے۔

لیکن مایوسی محض یہ ہے کہ اگر مثال کے طور پر کہیں کہ نو بھتی قاعدہ کا مصنف کون ہے؟ یا تو بہتان کیوں بنادیں یا پہلی تحقیق تھی بھتو کی اور دوسری صرف ایک بھت والی؟ اسی طرح کے بے معنی اعتراضات ہوں اور برموقع جواب ذہن میں نہ آئے تو اہل سنت کی شکست ہوگی کیونکہ بے علم اور جاہل لوگ ایسے ہی سوالات کرتے ہیں جو بے بنیاد ہوں پریشانی تو صرف اتنی ہے۔

یہ سن کر تلامذہ نے عرض کی اس کا حل اس طرح کرتے ہیں کہ مناظرہ پہلے پہل آپ کے شاگرد سے کرایا جائے اور اگر ضرورت پڑی تو پھر آپ تو موجود ہی ہوں گے۔ چنانچہ یہی طے پایا اور تلامذہ نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست لکھی کہ ایرانی مجتہد غیر معروف آدمی ہے۔ ساتھ ہی اس کے علم کا کسی کو پتہ نہیں اور شاہ صاحب شہرہ آفاق ہستی ہیں۔ دنیا بھر میں آپ کا چرچا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ پہلے شاہ صاحب کے کسی طالب علم کے ساتھ مناظرہ ہو۔ اگر طالب علم کو اس نے لاجواب کردیا تو شاہ صاحب موجود ہوں گے وہ جواب دیں گے۔ بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی اور درخواست منظور فرمائی۔

دوسرے روز جب اسٹیج بن گئے اور فریقین حاضر ہوئے اس وقت اسٹیج کی ہیئت اس طرح تھی کہ جنوبی طرف ایرانی تھے اور شمالی طرف بادشاہ کی کرسی ایرانیوں کے سامنے تھی۔ بادشاہ کے دائیں جانب وزراء، امراء لوگوں کا طبقہ تھا اور بائیں طرف شاہ صاحب اور دیگر علماء کرام جلوہ فرما تھے۔ درمیان میں قالینوں پر تلامذہ بیٹھے تھے نیز دیگر سامعین اور شائقین بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔

بادشاہ نے ایرانیوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا سنو ایرانیو! اس وقت ہر دو طرف سے فریقین اپنے اپنے عقائد کو

سچا اور برحق ثابت کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن تمہارے مجتہد صاحب کی شخصیت غیر معروف ہونے کی صورت میں ان کا مناظرہ پہلے کسی شاگرد کے ساتھ ہوگا۔ بعد ازاں اگر ضرورت پڑی تو شاہ صاحب تمہارے سامنے موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی ایرانی مجتہد بھڑکا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا پھر کون ہے جو شاہ صاحب کے سوا میرے ساتھ مناظرہ کرے گا؟ اتنے میں اچانک مولانا فضل حق خیر آبادی اسٹیج کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہم سب تیار ہیں مناظرہ کے لیے جس کو چاہو اور ساتھ ہی ہاتھ کو تمام طلباء کی طرف سے گھما کر اپنے سینے پر بحالت دلیرانہ رکھا جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے خود کو مناظرہ کے لیے پیش کر دیا ہے۔

ایرانی مجتہد بولا کیا افق المبین پڑھے ہوئے ہو؟ مولانا (فضل حق خیر آبادی) نے بحالت غصہ فرمایا افق المبین، افق المبین تو خون کے چیتھڑوں سے آلودہ ہے اور تمام کی تمام نادانی پر موقوف ہے۔ اتنا فرما کر اہل تشیع کی کتاب افق المبین کی ابتداء سے عبارت پڑھنا شروع کر دی۔ تھوڑی سی پڑھ کر اس کی تردید فرمائی۔ علامہ ہر قول کو اس طرح ٹھکراتے کہ اس میں صرفی و نحوی غلطیوں کا اظہار پھر مفہوم پر جرح اس طرح کرتے کہ سامعین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ابتداء سے انتہا تک اس کی تمام عبارت تھوڑی تھوڑی پڑھ کر اس کی تردید کر دیتے۔ اس طرح اس کتاب کو بے معنی اور لغو ثابت کر دیا اور سینکڑوں اعتراضات اس پر ظاہر کیے کہ وہ کتاب بالکل لادینی اور بے علمی کی طرف منسوب فرمادی۔

ایک مولانا صاحب موجود تھے جو عبدالرشید صاحب کے نام سے مشہور تھے فرماتے تھے کہ جیسا افق المبین اس روز میں نے پڑھی اور اس کے پرخچے اڑتے بھی دیکھے۔ وہ (ایرانی شیعہ) مجتہد فوراً شاہ صاحب کے قدموں پر آ گرا کہنے لگا جس ہستی کے شاگردوں کی یہ شان ہے تو استاذ صاحب کتنی عظمت کے مالک ہوں گے۔

شاہ (عبدالعزیز) صاحب نے ایرانی کی پرواہ تک نہ کی اور اُٹھ کر جناب مولانا فضل حق خیر آبادی کو سینے سے لگایا۔ مولانا (فضل حق خیر آبادی) فرماتے ہیں کہ "تمام علوم مجھے اس وقت حاصل ہوئے جب شاہ صاحب نے مجھے سینے سے لگایا تھا۔ اس سے پہلے تو کچھ علم ہی نہ تھا"۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا علم ذہن اور حافظہ عنایت فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

حضور غریب نواز (خواجہ قمر الدین سیالوی ﷫) نے فرمایا یہ واقعہ مولانا عظمت اللہ نے مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے سنا اور مجھے بیان فرمایا۔ اس طرح مولانا فضل حق صاحب اور میرے (خواجہ قمر الدین سیالوی ﷫ کے) درمیان دو واسطے ہوئے۔ ایک تو اُن کے صاحبزادہ صاحب مولانا عبدالحق اور دوسرے میرے استاذ مولانا عظمت اللہ۔

فرمایا کشمیر کے راجہ نے خواہش ظاہر کی کہ مولانا فضل حق خیر آبادی کو دعوت دوں اور علمی نکات آپ سے سنوں۔ چنانچہ بڑی دھوم دھام سے ہاتھیوں اور گھوڑوں کو سواریوں کے لیے بھیج دیا تاکہ دہلی سے مولانا کو لائیں۔ جب وہ لشکر

بصورت وفد دہلی پہنچا اور آپ کے حاشیہ نشین طلباء سے حاضری کا مقصد ظاہر کیا تو طلباء نے فرمایا کہ اس طرح مولانا کا وہاں تشریف لے جانا مشکل ہے۔ تم واپس چلے جاؤ' ہم آہستہ آہستہ زمین ہموار کریں گے یعنی آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے۔ جب آپ کا ارادہ ہو گیا تو موقع پر ہم تمہیں آگاہ کریں گے۔

جب وہ واپس چلے گئے تو طلباء کرام نے وہ مقصد حاصل کرنے کا حیلہ اس طرح بنایا کہ کسی نے کہا مولانا کشمیر کا زعفران بہت عمدہ ہے' دیکھنے کے قابل ہے۔ (علامہ فضل حق خیر آبادی نے) فرمایا واقعی زعفران کا پودا دیکھنا چاہیے۔ دوسرے دن کسی دوسرے طالب علم نے عرض کیا غریب نواز وہاں کے میوہ جات اعلیٰ قسم کے ہیں۔ تیسرے نے عرض کی وہاں کی آب و ہوا اور باغات خوشگوار ہیں۔ اسی طرح کی باتیں ہوتی رہیں حتیٰ کہ خود مولانا نے فرمایا کہ کشمیر کی سیر کرنی چاہیے۔

طلباء نے تیاری شروع کر دی۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو طلباء نے عرض کیا ایسے چلے جانا مناسب نہیں ہوگا وہاں کا راجہ گر دعوت دے تو بہتر ہوگا۔ مولانا نے فرمایا وہ کیسے دعوت دے گا؟ طلباء نے خفیہ طور پر راجہ کے ہاں پیغام لکھ بھیجا کہ اب آؤ۔ پیغام پہنچتے ہی راجہ کے آدمی ہاتھیوں وغیرہ کی سواریوں کے ساتھ پہنچ گئے۔

طلباء کو فکر لاحق ہوئی کہ مولانا تو اعلیٰ دماغ کے مالک ہیں۔ جب کسی سے نامعقول و ناپسندیدہ سنیں تو فوراً بول دیتے ہیں ''چوتیا بکواس بکتا ہے'' اگرچہ مخاطب کوئی بھی ہو۔ امیر و غریب کا لحاظ نہیں رکھتے (یا کہہ دیتے چوتیا کیا بک رہا ہے)۔ لہٰذا اگر راجہ سے کوئی نامعقول بات ہوئی تو آپ نے یہی الفاظ فرما دینے ہیں اور اس کا بہت برا اثر ہوگا۔ اس لئے مولانا سے عرض کی کہ مہاراجہ نہ معلوم کس طرح کا آدمی ہے۔ اس کی طبیعت و مزاج سے واقفیت تو ہے نہیں' بے علم اور جاہل ہونے کی وجہ سے نامعقول بات کرے گا تو آپ کا مزاج برداشت نہ کر سکے گا۔ کہیں اپنی جہالت پر بھڑک گیا تو نازیبا ہوگا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ آپ تشریف نہ لے جائیں' پھر کسی وقت اپنے آپ ہی چلے جائیں گے۔

مولانا نے فرمایا ہم اس سے نامعقول سمجھ کر بات کریں گے تو پھر اس کی باتوں پر غصہ نہ آئے گا۔ بہرحال بڑی دھوم دھام سے تشریف لے گئے۔ جب راجہ کے ہاں نشست ہوئی تو راجہ نے کہا مولانا کچھ منطق سنائیں۔ اس کا یہ کہنا ہی تھا کہ مولانا کو تو آگ لگ گئی اور پھر غصہ میں آگ بگولا ہو گئے۔ اس نے پھر دوبارہ کہا مولانا کچھ منطق کی باتیں سنائیں۔ مولانا سے رہا نہ گیا فوراً فرمایا ''چوتیا کیا بکواس بکتا ہے؟ منطق کوئی ڈگڈگی تھوڑی ہے کہ بجانا شروع کر دوں''۔ یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس آ گئے۔

حضور غریب نواز (خواجہ قمر الدین) ﷫ نے فرمایا مولانا (فضل حق خیر آبادی ﷫) کی طبیعت غیر معقول اور لغو باتوں سے نہایت متنفر ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ اگر ایسے مکان میں جاتے جہاں اس کے اندر سامان نامناسب حالت میں پڑا

ہوتا تھی اوپر والی اشیاء نیچے اور نیچے والی اوپر پڑی ہوئی دیکھتے تو فوراً غصہ ہو کر واپس ہو جاتے۔

آپ (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے فرمایا مولانا عبدالحق صاحب کے بھانجے مولانا عبدالسلام بہت بڑے متبحر عالم تھے۔ ایک مرتبہ دیوان صاحب کی خدمت میں ایک اور بھی مولوی صاحب موجود تھے اور فقیر بھی وہاں میں بھی موجود تھا۔ مولانا عبدالسلام صاحب کی موجودگی میں دیوان صاحب نے مولوی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا تو مولانا عبدالسلام صاحب بولے اس طرح نہیں تو نے غلط بیان کیا ہے۔ دیوان صاحب کے فرمان پر میں نے دوبارہ بالتفصیل بیان کیا تو مولانا نے اپنے ہاتھ کو سامنے نکال کر فرمایا میرا ہاتھ چومو میرا ہاتھ چومو ان الفاظ سے بھی اشارہ تھا کہ صحیح مطلب بیان نہیں ہوا۔

آپ (خواجہ قمر الدین) فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یہ کون ہیں جو بیان رد کر کے کہہ رہے ہیں میرا ہاتھ چومو چنانچہ جب تیسری بار نہایت ہی تفصیل سے بیان کیا تو پھر بولے میں نے جو کہا ہے میرا ہاتھ چومو میں نہیں کہہ رہا میرا ہاتھ چومو۔ پھر دیوان صاحب سے میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انہوں نے فرمایا تمہارے استاد زادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے بھانجے ہیں۔ یہ سن کر میں اٹھا اور ان کا ہاتھ چوم لیا اور معافی طلب کی کہ جرأت کر بیٹھا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ پہلے مولوی صاحب تو بالکل اصل مطلب نہ سمجھے اور نہ ہی بیان کر سکے تم نے کچھ پتے کی بات کی تھی اس لیے متنبہ ہو۔

آپ (خواجہ قمر الدین سیالوی) نے فرمایا خیر آبادی بہت ہی متبحر علماء ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہدایت پر تھے۔ اگر خدانخواستہ کسی دوسرے عقیدہ پر ہوتے تو کیا کیا کرتے۔ مولانا عبدالسلام کی والدہ ماجدہ کو ان کے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب نے خود پڑھایا تھا۔ وہ (علامہ کی صاحبزادی) پڑھاتے وقت طلباء سے پس پردہ استفسار فرماتی تھیں۔ بچو! کون سی کتاب پڑھنے کے لیے لائے ہو اور کہاں سے پڑھنی ہے؟ طلباء کے کہنے پر اس مقام سے زبانی تقریر فرمادیا کرتی تھیں۔ طلباء سے عبارت بالکل نہیں سنتی تھیں اور تمام اسباق زبانی پڑھایا کرتی تھیں۔ یہ مولانا فضل حق خیر آبادی کی بیٹی مولانا عبدالحق کی ہمشیرہ اور مولانا عبدالسلام کی والدہ تھیں۔ رحمہم اللہ علیہم اجمعین

5 رمضان المبارک کی رات بعد از نماز تراویح (خواجہ قمر الدین سیالوی نے) فرمایا کہ دیوبندیوں کی سرکوبی تو مولانا فضل حق خیر آبادی ﷫ نے کر دی تھی۔ بریلوی لوگوں کو تو سانپ سرکوذ مل گئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا کا مناظرہ جو مولوی اسماعیل اور سید احمد اللہ شاہ کے ساتھ ہوا تھا کو بیان فرمایا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی ﷫ نے ایک بے مثال رسالہ (جس کا نام "امتناع النظیر" ہے) لکھا ہے جس میں دیوبندیوں کے عقیدہ "امکان کذب باری تعالیٰ" کا رد فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی ﷫ نے انگریز کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ جب چیف جسٹس کے ہاں

مقدمہ پیش ہوا تو لوگوں نے مولانا کی خاطر سوچا کہ گواہوں کو بٹھا لیا جائے اور اس بات پر گواہوں کو منظم بھی کر دیا گیا کہ مولانا کے خلاف بیان نہ دیں۔ اگرچہ مولانا نے حق کہا تھا مگر بڑے بڑے علمائے کرام محض مولانا کی جان بچانے کی خاطر موقع پر بیان تبدیل کرنے کو تیار ہو گئے۔ جب چیف جسٹس نے بیان لینے شروع کئے تو ایک مولوی صاحب نے بیان دیتے ہوئے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا مجھے معلوم نہیں۔ شاید یہ مولانا تو نہ تھے۔ جب اس نے دو تین دفعہ اس طرح کی خلاف واقعہ گفتگو کو دہرایا تو خود مولانا بول اٹھے کہ اس مولوی صاحب کو یاد نہیں یا بھول رہے ہیں "میں ہی تو تھا۔ آپ نے "حق بات" کا اقرار فرما کر اپنے کامل ایمان ہونے کا ثبوت دے دیا۔

جب انگریز نے آپ کو جزیرہ انڈیمان (کالے پانی) بھیج دیا تو وہاں بھی آپ کو چابک لگائے جاتے تھے۔ انہوں نے اس حال میں بھی تعلیمی شغل کو نہ چھوڑا۔ چنانچہ کسی صاحب کو حج پر جا رہا تھا ایک قصیدہ لکھ کر دیا اور فرمایا یہ قصیدہ مدینہ منورہ میں روضہ انور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھنا۔ جب وہ قصیدہ فصیحانہ انداز میں پیش کیا گیا تو فصیح و بلیغ عرب لوگ عش عش کر اٹھے اور کہا تین سو سال کے بعد یہ قصیدہ فصیحانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے تک اس قسم کا قصیدہ نہیں لایا گیا۔ اس وقت عرب میں ترکوں کی حکومت تھی اس لئے قصیدہ کی داد دی گئی۔

فرمایا حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ ابھی انگریز کی قید میں تھے بلکہ انہیں کالے پانی بھیج دیا گیا تھا وہیں شہید ہوئے ان کا مزار بھی جزیرہ انڈیمان میں ہے۔

مولانا (فضل حق خیر آبادی) کو کہا گیا کہ قاموس کا ترجمہ لکھ دیجئے آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔ فرمایا میں اس کتاب کو بے قدر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے وہیں کالے پانی ہی میں بصورت قید نات پر کوئلے کے ساتھ ایک کتاب لکھی جو نہایت ہی دردناک واقعات سے بھرپور ہے۔ اپنے تمام واقعات اس میں درج فرمائے۔ تمام بدن زخموں سے چھلنی ہوتا تھا۔ خون اور پیپ وغیرہ بدن سے بہتے رہتے اور اسی حالت میں کتاب تحریر فرماتے رہتے تھے۔ انہوں نے اسی کتاب میں لکھا کہ میں ایسی جگہ بھیجا گیا ہوں جہاں نہ کوئی آبادی ہے نہ گندم ہے۔ اصل عربی الفاظ یہ ہیں ﴿لا فیھا برٌّ ولا برٌّ و لا برٌّ﴾ اور یہ بھی لکھا ﴿فقذفنی شط الخصم الکالح الی شط الخصم المالح﴾ مجھے ترش روشمن کے غصے نے شور بے دریا (نمکین دریا) کی طرف پھینک دیا۔ اس کتاب کا نام "رسالہ غدریہ" ہے۔

یہ کتاب لکھ کر صاحب علم الصیغہ کو دی۔ جب وہ رہا ہوئے تو فرمایا (یہ کتاب) میرے لڑکے عبدالحق کو دے دینا۔ مرحوم (مولانا عبدالحق) کو ملا تو وہ پڑھتے بھی تھے اور روتے بھی تھے کیونکہ نہایت ہی المناک حالت میں لکھی گئی تھی۔ (علامہ فضل حق خیر آبادی) اس وقت نماز بھی اشارہ سے ادا فرماتے تھے۔ نہایت نحیف و نازک حالت میں بھی تصنیف کو

ترک نہ فرمایا۔ آپ مجسم علم تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت فرماتے ہوئے کلام الٰہی چہرہ کے سامنے لئے ہوئے وصال فرمایا تو قرآن مجید چہرہ پہ پڑا۔

مولانا (فضل حق) فرماتے کہ لوگوں کے زخموں پر مرہم کئے جاتے ہیں، میرے زخموں سے پیپ وخون بہتا تھا تو کوڑے لگائے جاتے تھے۔

مولانا عبدالحق کے علاوہ ان (علامہ فضل حق) کی ایک بیٹی بھی عالمہ تھیں جو مولانا عبدالحق صاحب سے زیادہ قابل تھی۔ جب مولانا عبدالحق بیمار ہوتے تو طلباء سے کہہ دیتے کہ مائی صاحب سے سبق پڑھ لینا۔ مائی صاحبہ پس پردہ زبانی سبق پڑھاتی تھیں اور بعینہٖ اپنے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی ﷫ جیسی تقریر فرماتیں۔ (علامہ کی انہی صاحبزادی کا ذکر خیر پہلے گزر چکا ہے)

مائی صاحبہ کی قابلیت دیکھ کر مولانا (فضل حق) بھی فرمایا کرتے کہ کاش تو عبدالحق ہوتی۔ پھر آپ (خواجہ قمرالدین سیالوی) نے مائی صاحبہ کے لڑکے مولانا عبدالسلام صاحب کے ساتھ دیوان صاحب کی موجودگی میں ملاقات کا واقعہ سنایا جو پہلے رقم کیا جا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا حالانکہ مولانا عبدالسلام صاحب ظاہری طور پر داڑھی منڈائے ہوئے تھے اور مائی صاحبہ کو بھی لوگ عرض کرتے تھے کہ ان کو نماز پڑھنے کی تاکید فرمایا کریں۔ لیکن جب فوت ہوئے تو اُن کا خادم دیوان صاحب کو لے گیا۔ ان کا مصلیٰ دکھایا جو نہایت ہی گھسا (پھٹا) ہوا تھا اور قرآن مجید دکھایا جو آنسوؤں سے لت پت تھا۔ پوشیدہ طور پر اندری جماعت کراتے اور نماز پڑھا کرتے۔ عجیب مذاق تھا کہ لوگ ان کی عبادت سے بے خبر بلکہ فرائض کی ادائیگی کا بھی پتہ تک نہ تھا۔

14 ربیع الآخر 1395ھ بوقت عشاء شب سہ شنبہ بنگلہ شریف میں حاضری نصیب ہوئی۔ حاجی محمد بخش صاحب سیال آف خضمہ محمد پناہ آپ کو ملے اور اُن کو کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔ اس کے بعد (خواجہ قمرالدین سیالوی نے) حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی ﷫ کا یہ شعر پڑھا۔

اے فرقتی در کعبہ رفتی بارہا
تا مسلمان نا مسلمانی ہنوز

جب بندہ نے کھڑے ہو کر مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ فرقتی مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی ﷫ کا فارسی میں تخلص ہے اور اپنے آپ کو خطاب فرمایا ہے۔ دراصل معنی یہ ہے کہ اگر کعبہ میں بار بار جانے سے حالت تبدیل نہ ہو بُری عادات اسی طرح رہیں تو نا مسلمان نا مسلمانی' والا مصرعہ صادق آتا ہے۔

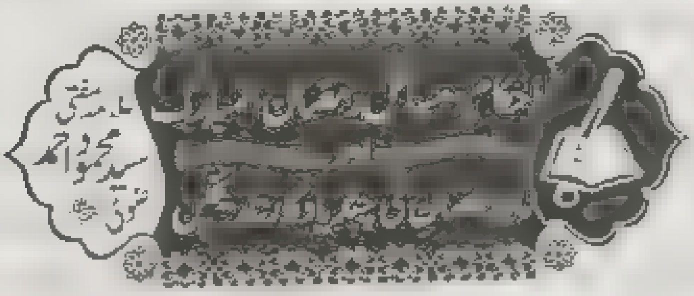

روئیت ہلال

شریعت میں روئیت ہلال کا اعتبار ہے جو واضح طور پر شرعی شہادت سے ثابت ہو۔ چاند دیکھنے کی شہادت شہر کے مقتدر عالم کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔ چاند کے ثبوت کے لئے خط، تار، افواہ بازار، ریڈیو، پریس، ٹیلیویژن کی خبر بالکل معتبر نہیں ہے۔ اگر 29 شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے 30 دن پورے کریں۔ یونہی 29 رمضان کو چاند نظر نہ آئے اور شرعی شہادت سے بھی اس کا ثبوت نہ ملے تو رمضان کے 30 دن پورے کر کے عید کریں۔ شک کا روزہ رکھنا گناہ ہے۔

مسائل سحری:

سحری کھانا سنت ہے اور باعث برکت بھی گرچہ یک لقمہ ہی کھائے۔ سحری میں تاخیر مستحب ہے مگر اتنی نہیں کہ وقت میں شک ہو جائے۔ اگر وقت میں گنجائش نہ ہو تو بحالت جنابت سحری کھا سکتا ہے۔ ویسے غسل جنابت میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ وضو میں کلی ایسی کہ منہ کے ہر اندرونی حصے پر پانی بہہ جائے اور ناک میں اس طرح پانی لینا جہاں نرم بانسہ (ہڈی) ہے پانی پہنچ؛ سنت مؤکدہ اور غسل جنابت میں فرض ہے۔ کلی اور ناک میں پانی نہ لیا تو غسل ہی نہ ہوگا۔ اس لئے روزہ دار کو غسل فرض میں اس احتیاط سے کلی کرنی چاہیے کہ منہ کے ہر ذرہ پر پانی بہہ جائے مگر حلق سے نیچے نہ اترے اور ناک میں پانی اس احتیاط سے لیا جائے کہ نرم بانسہ دھل جائے اور پانی نہ حلق میں اترے نہ دماغ میں چڑھے۔

روزہ کی نیت:

روزہ کی نیت بعد غروب آفتاب میں ضحوۂ کبریٰ تک ہے۔ ہر روزے کے لیے نیت لازم ہے۔ نیت زبان سے بہتر ہے اور نیت ضحوۂ کبریٰ سے پہلے کرے تو روزہ ہوگا۔ رات کو نیت کرے یوں کہے ﴿نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ غَدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى مِنْ فَرْضِ رَمَضَانَ﴾ میں نے نیت کی کہ کل رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھوں گا۔ اگر نیت دن میں کرے تو یوں کہے ﴿نَوَيْتُ اَنْ اَصُوْمَ هٰذَا الْيَوْمَ لِلّٰهِ﴾ میں نے نیت کی کہ آج اس رمضان کا فرض روزہ اللہ کے لیے رکھوں گا۔ سحری نیت ہے جب کہ کھاتے وقت یہ ارادہ ہو کہ روزہ رکھیں گا۔

روزہ کی حقیقت:

نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد 10 شعبان 2ھ میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ عرف شرع میں مسلمان کا بنیت عبادت صبح صادق سے غروب آفتاب تک خود کو قصداً کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا روزہ ہے۔ عورت کا حیض ونفاس سے خالی ہونا شرط ہے۔ رمضان المبارک کا روزہ رکھنے کے ساتھ ہر روزہ دار پر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ صرف کھانے پینے اور مباشرت سے ہی اجتناب نہ کرے بلکہ قول وفعل، لین دین اور دیگر معاملات میں بھی پرہیزگاری اختیار کرے، جیسا کہ ﴿لعلکم تتقون﴾ سے ظاہر ہے۔ روزہ کی حالت میں آدمی ہاتھ پاؤں کو کسی بھی بُرے کام کے لیے حرکت نہ دے۔ گالی گلوچ، غیبت جیسی خرافات زبان پر نہ آئے، نہ کان میں پڑنے دے۔ اس کی آنکھ بھی غیر شرعی کام کی طرف نہ اٹھے بلکہ انسان تقویٰ کا عملی نمونہ بن جائے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر:

● جب آدمی ایسا بیمار ہو کہ روزہ رکھنے سے جان جانے یا مرض کے بڑھنے یا دیر پا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ جب صحت ہو جائے قضا کرے۔

● ایسا بوڑھا کہ روز بروز کمزور ہو گا نہ اب روزہ رکھنے پر قادر اور نہ بظاہر آئندہ قادر ہو سکے گا۔ ہر روز کے بدلے فدیہ دے یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بوڑھا شخص جو فدیہ دیتا رہا، پھر روزہ پر قادر ہو گیا تو فدیہ نفل ہوگا اور روزہ کی قضا لازم ہے۔

● جو ایسا مریض یا بوڑھا ہو کہ گرمیوں میں روزہ نہ رکھ سکتا ہو تو اب افطار کرے۔ سردیوں میں رکھ لے۔

● حاملہ عورت یا دودھ پلانے والی کو جب انہیں اپنی ذات یا بچہ کا اندیشہ ہو، روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن قضا لازم ہے۔

روزہ توڑنا گناہ ہے:

روزہ رکھ کر بلا عذر شرعی توڑ دینا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر ایسا بیمار ہو گیا کہ نہ توڑنے سے جان جانے کا خطرہ ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا احتمال قوی ہو یا ایسی شدید پیاس لگی کہ مر جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے البتہ صحت ہو جانے پر قضا لازم ہے۔

● مسئلہ: جن کا روزہ فاسد ہو جائے اُن پر اور حیض ونفاس والی پر جب دن میں پاک ہوں، نابالغ پر جب دن میں بالغ ہو، مسافر پر جب دن میں مقیم ہو واجب ہے کہ پورے دن روزہ دار کی طرح رہیں۔

● مسئلہ۔ نابالغ جو بالغ ہو' کافر جو مسلمان ہو' ان پر اُس دن کی قضاء واجب نہیں ہے۔

روزہ کے مکروہات

● کسی چیز کا بلا عذر چکھنا، چبانا ایسی طور کہ حلق سے نیچے نہ اُترے ● جھوٹ ● چغلی ● غیبت ● گالی گلوچ ● کوسنا ● ناحق ایذا دینا ● بے ہودہ فضول بکنا ● چیخنا' چلانا ● لڑنا ● شطرنج' جوا' تاش وغیرہ کوئی ناجائز کھیل کھیلنا ● سینما دیکھنا ● منہ میں بہت سا تھوک جمع کر کے نگل جانا ● ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔ یہ تمام امور مکروہات روزہ سے ہیں۔

ان صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوگا:

● بھول کر کھانا پینا ● جماع کرنا ● بلا اختیار گرد و غبار، دھواں، مکھی یا مچھر کا حلق میں چلا جانا ● بوقتِ غسل کان میں پانی کا پڑ جانا ● خود بخود قے آ جانا خواہ منہ بھر کر ہو ● آنکھ میں دوائی ڈالنا ● دن میں سوتے ہوئے احتلام ہو جانا ● دانتوں میں جو چیز رہ گئی مگر چنے کی مقدار سے کم ہو اس کو نگل لینا ● تل دانتوں میں رہ گیا اس کو نگل لیا ● بیوی کا بوسہ لیا چھوا اور انزال نہ ہوا۔ ان سب صورتوں میں روزہ فاسد نہ ہوگا۔

● مسئلہ۔ بحالتِ روزہ سرمہ لگانے' سر اور بدن پر تیل ملنے' مسواک کرنے' خوشبو عطر وغیرہ سونگھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا اور یہ باتیں روزہ کو مکروہ نہیں کرتیں۔

روزہ کے مفسدات:

کلی کرنے میں پانی حلق کے نیچے اتر گیا۔ ناک میں پانی ڈالنے میں دماغ تک چڑھ گیا۔ قصداً منہ بھر کر کھانے، پیپ یا خون کی قے کی یا منہ بھر کر قے خود آئی اور چنے برابر یا زیادہ نگل لی۔ چنے برابر یا زیادہ کھانا دانتوں میں اٹکا تھا نگل گیا۔ ناک میں دوا سڑک لی۔ مباشرتِ فاحشہ کرنے' بوسہ لینے' چھونے سے انزال ہو گیا۔ حقہ' بیڑی' سگریٹ' سگار وغیرہ پینے پان کھانے اگرچہ پیک تھوک دے حلق تک نہ جانے ان تمام صورتوں میں روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا اور قضا لازم ہے۔

دانتوں سے خون نکلا اور حلق میں داخل ہو گیا اگر تھوک غالب ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر خون غالب ہے تو روزہ فاسد ہوگا۔ قصداً دھواں پہنچایا خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اگر بتی سلگتی تھی اس کے دھوئیں کو ناک میں کھینچا۔ منہ میں رنگین ڈورا رکھا تھوک رنگین ہو گیا اس کو نگل لیا یا منہ میں نسوار لی۔ ان صورتوں میں روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔

● مسئلہ: کان میں تیل ٹپکایا دماغ کی جھلی تک زخم تھا، دوا لگائی اور زخم تک پہنچ گئی یا حقنہ یا ناک سے دوا چڑھائی یا پتھر، کنکر، روئی، کاغذ، گھاس وغیرہ ایسی چیز کھائی جس سے لوگ گھن کرتے ہیں یا رمضان المبارک میں بلانیت روزہ کی طرح رہا یا صبح کو نیت کی تھی یا دن میں زوال سے پیشتر نیت کی اور بعد نیت کھالیا یا روزہ کی نیت کی تھی مگر روزہ رمضان کی نیت نہ تھی یا اس کے حلق میں بارش کی بوند یا اولہ چلا گیا۔ بہت سے آنسو یا پسینہ نگل گیا ان صورتوں میں صرف روزہ کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

● انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن روزہ کی صورت میں نہ چاہیے کہ تعریض علی الفساد ہے۔ ہاں اگر جوف دماغ یا جوف معدہ میں انجکشن سے دوا یا غذا پہنچے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

● قصداً اگر روزہ یاد ہوتے ہوئے کھایا پیا یا جماع کیا۔ بھول کر کھا پی رہا تھا۔ روزہ یاد آنے پر یا سحری کھا رہا تھا صبح صادق ہونے پر منہ کا نوالہ یا گھونٹ نگل گیا تو روزہ جاتا رہا قضا و کفارہ دونوں واجب ہو گئے۔

● اگر باہر سے اٹھا کر ایک تل چبا کر نگل گیا روزہ فاسد ہوا قضا لازم اور بے چبائے نگلا تو قضا و کفارہ دونوں لازم۔

● اسی طرح جس کو حقہ کی عادت ہو اس نے حالت روزہ حقہ سگریٹ پیا تو قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

روزہ کا فدیہ:

ہر روزہ کے بدلے ہر روز دونوں وقت مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دینا۔

روزہ کا کفارہ:

● باندی یا غلام آزاد کرنا ● یہ نہیں تو پے در پے (مسلسل) ساٹھ روزے رکھنا۔ ● اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔

افطار:

افطار میں جلدی سنت و موجب برکت ہے۔ غروب کا غالب گمان ہونے پر افطار کر لیا جائے۔ نماز سے پہلے افطار کریں۔ کھجور، چھوارے یہ نہ ہوں تو پانی سے ان تینوں سے سنت ہے۔ کھانے میں مشغول ہو کر نماز میں تاخیر نہ کریں۔ مرد جماعت کھانے کی وجہ سے نہ چھوڑیں۔ آج کل بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ وقتِ افطار یہ دعا پڑھیں ﴿اللهم انى لك صمت وبك امنت وعليك توكلت وعلى رزقك افطرت فاغفرلى ما قدمت وما اخرت﴾

مسائل تراویح:

20 رکعت تراویح ہر غیر معذور مرد و عورت کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ مستورات گھر میں پڑھیں اور مردوں کے لیے

مسجد میں جماعت سے پڑھنا سنتِ کفایہ ہے۔ نیت سنتِ تراویح کریں۔ تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے قبل وتر پڑھیں یا بعد وتر۔

● مسئلہ: ہر چار رکعت تراویح کے بعد بقدر چار رکعت بیٹھنا اور تسبیح و تہلیل یا درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ تسبیح کے کلمات یہ ہیں ﴿سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت سبحان الملک الحی الذی لا ینام ولا یموت۔ سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح۔ لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ ونسئلک الجنۃ ونعوذبک من النار﴾

● مسئلہ: تراویح کے بعد لوگوں کو بیٹھنا ناگوار ہو تو نہ بیٹھیں۔

● مسئلہ: تراویح جماعت کے ساتھ گھر میں پڑھی جائیں تو جماعت کا ثواب مل جائے گا مگر مسجد کے ثواب سے محروم رہے گا۔

● مسئلہ: اگر اپنی مسجد میں ختم قرآن نہ ہو یا جماعت تراویح نہ ہو یا دوسری جگہ امام خوش الحان، خوش عقیدہ صحیح خواں متبع سنت ہو اور ان وجوہ سے مسجد محلہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانا جائز ہے۔

● مسئلہ: امام محلہ بدعقیدہ یا ریش بریدہ (داڑھی منڈواتا) ہو تو دوسری مسجد میں جانا ضروری ہے۔

● مسئلہ: ایک امام کو دو مسجدوں میں پوری تراویح پڑھانا جائز نہیں۔

● مسئلہ: ایک امام کے پیچھے پوری تراویح پڑھنا افضل ہے۔

● مسئلہ: اگر فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا تو اس کو تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ اگر فرض اور تراویح دونوں جماعت سے ادا نہیں کئے تو اس کو وتر جماعت کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے لہٰذا اگر تارک جماعت فرض اور تراویح یا فقط تارک جماعت فرض وتر باجماعت پڑھے گا تو فعل مکروہ کا مرتکب ہوگا اگرچہ وتر ادا ہو جائیں گے۔

● بعض مساجد میں تراویح میں نابالغ لڑکوں کو امام بنایا جاتا ہے جو باوجود نابالغ ہونے کے مسائل صلوٰۃ سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے اور نابالغ کی نماز خالص نفل ہے لہٰذا نابالغ لڑکے کے پیچھے سنن مؤکدہ ادا نہیں ہوتیں۔

● مسئلہ: بعض مسجدوں میں ریش بریدہ (داڑھی منڈے) امام مقرر کئے جاتے ہیں۔ داڑھی منڈوانے والے اور ایک مشت سے کم رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ ایسوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوتی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

● مسئلہ: سونے کی انگوٹھی پہننا، خالص ریشمی لنگی، قمیص اور تہبند مرد کو استعمال کرنا حرام ہے اور اس کے ساتھ نماز بھی مکروہ ہوگی

● مسئلہ: بدمذہبوں اور بے دینوں کو امام بنانا مطلقاً ناجائز ہے۔

اعتکاف

رمضان کے خاص اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ اعتکاف کیا ہے؟ ہر طرف سے منقطع ہو کر اللہ کے در پہ پڑ جانا اور اس سے لو لگا کے بیٹھ جانا۔ اس کا اصل وقت رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ یوں تو رمضان کا پورا مہینہ خاص رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے لیکن اس حیثیت سے اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بڑھا ہوا ہے کہ قرآن پاک کا نزول بھی آخری عشرہ ہی میں ہوا تھا۔ شب قدر بھی اسی عشرہ میں آتی ہے، اس لئے اعتکاف کے لئے اسی عشرہ کو مقرر کیا گیا۔

رمضان کے دنوں میں صیام اور راتوں میں قیام تو ایمان والوں کے لئے رمضان کے مجاہدہ اور رمضان کی عبادت کا عام نصاب ہے۔ پھر اللہ کے جو بندے رحمت والے اس مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں میں خاص حصہ لینا چاہیں، ان کے لیے خاص نصاب اعتکاف ہے یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو مقید کردے۔ حاجت بشری کے سوا وہاں سے نہ نکلے۔ اسی طرح اپنے باطن کو صرف اللہ کی طرف متوجہ کردے۔ اسی کی یاد ہو، اسی کا دھیان ہو۔ اسی کی عبادت ہو، اسی کی تسبیح و تقدیس ہو۔ اسی سے ڈرنا، اسی کے حضور میں رونا اور تڑپنا ہو۔ اسی کے سامنے گڑگڑانا ہو۔ غرض وہاں بس وہ بندہ ہو اور اس کا رب کریم۔

حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے تھے۔ ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکاف نہیں کر سکے تو اگلے سال آپ نے 20 دن کا اعتکاف فرمایا اور ایک سال ایسا بھی ہوا کہ رمضان کے پورے مہینہ میں آپ معتکف رہے۔

اللہ تعالیٰ جن کو توفیق دے وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کریں اور جن کے لئے کسی وجہ سے اس کا موقع نہ ہو وہ بھی اتنا ضرور کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کردیں اور دن رات زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر میں، قرآن مجید کی تلاوت میں، اللہ کی عبادت میں اور اس کے ذکر میں مصروف اور دعاو استغفار میں مشغول رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ رمضان کی آخری دس راتوں میں خود بھی جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیداری کا حکم فرماتے اور ترغیب دیتے تھے۔

20 رمضان المبارک کی عصر سے عید کا چاند دیکھنے تک اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے یعنی تمام شہر کے یا تمام محلہ کے مسلمانوں سے ایک شخص بھی اگر اعتکاف کرے گا تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے۔ گو ثواب سے محروم رہیں گے لیکن ترک سنت کا الزام کسی پر نہ رہے گا۔

● مسئلہ اعتکاف ایسی مسجد میں کرنا چاہیے جس میں پنج وقتہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔

● مسئلہ بعد نیت اعتکاف حد مسجد سے نکلنا بجز انسانی حاجتوں اور شرعی ضرورتوں کے حرام ہے۔

● مسئلہ انسانی حاجتیں پیشاب' پاخانہ اور نہانا ہے (اگر نہانے کی حاجت ہو) اور استنجا کرنا اور وضو کرنا ہے۔

● مسئلہ اگر کوئی گھر سے مسجد میں کھانا لانے والا نہ ہو تو کھانے کے واسطے بعد مغرب گھر تک جانا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کھانا گھر سے لائے اور مسجد میں کھائے۔

● مسئلہ حاجت شرعی میں نماز جمعہ ہے لہٰذا نماز جمعہ کو ایسے وقت میں جائے کہ وہاں جا کر چار سنتیں پڑھ کر خطبہ سن لے اور بعدہ چھ رکعت سنت پڑھے۔ بلا ضروریات مذکورہ معتکف کو مسجد سے باہر نکلنا مکروہ ہے مگر جب تک کہ آدھے دن سے زیادہ مسجد سے باہر نہ رہے گا اعتکاف نہ ٹوٹے گا۔ اعتکاف میں معتکف کو کھانا' پینا' سونا' دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا' مسائل دینی کا بیان کرنا' بزرگان دین و انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات بیان کرنا۔ اگر ضرورت پڑے تو مال لائے بغیر مسجد میں خرید و فروخت جائز ہے۔

جمعۃ الوداع

حضور سید عالم نور مجسم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جمعہ کا دن سید الایام اور تمام دنوں سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص کا یہ دن سلامتی و رحمت اور عبادت و ریاضت میں گزرا اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ بھر کی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے گا۔ ایک حدیث میں ہے ﴿الجمعۃ عید للمؤمنین﴾ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے۔ جمعہ اور عید میں بہت سے امور مشترک ہیں۔ جمعے کے دن غسل کرنا' اجلا لباس پہننا اور خوشبو لگانا سنت ہے اور یہ چیزیں عید کے دن بھی مسنون ہیں۔ جمعہ اور عید دونوں میں باجماعت دو، دو رکعت ہیں' دونوں میں اجتماعیت ہے اور خطبہ لازمی ہے۔ جمعہ قضا ہے نہ عید کی اگر جماعت فوت ہو تو تنہا "دی جمعہ ادا کر سکتا ہے نہ عید۔ جمعہ کی قضا ہو جائے تو ظہر پڑھی جائے۔ قرآن مجید میں جمعہ کے احکام سورۃ جمعہ میں بیان ہوئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ایک ساعت آتی ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہ ساعت نماز عصر کے بعد آتی ہے اور اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جو عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب کی نماز کے انتظار میں لگا رہے۔ ذکر و فکر میں مشغول رہے اور اپنے مقصد کو پیش نظر رکھے یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے سب سے پہلے مسجد

میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے اونٹ کے صدقہ کے برابر ثواب دیتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر جانے والے کو گائے کے صدقہ کے برابر، تیسرے نمبر پر جانے والے کو مینڈھے کے برابر، چوتھے نمبر پر جانے والے کو مرغی کے صدقہ کے برابر اور پانچویں نمبر پر جانے والے کو ایک انڈے کے صدقہ کے برابر ثواب ملتا ہے اور جب خطیب خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو فرشتے بھی سننے کے لئے مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں' یہ صرف جلدی جانے کا ثواب ہے اور نماز کا ثواب الگ ہے اور وہ بہت زیادہ ہے۔ ارشادِ رسالت مآب ﷺ ہے کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے والے کے وہ تمام گناہ جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہوتے ہیں بخش دیئے جاتے ہیں۔

جمعۃ المبارک کسی بھی ہفتے کا ہو مومنوں کے لئے باعثِ برکت ورحمت اور موجب نجات ومغفرت ہے لیکن رمضان مبارک کا آخری جمعہ جو جمعۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے سوز علی سوز اور قران السعدین ہے۔ جمعۃ الوداع مسلمانوں کی عظمت وشوکت اور ہیبت وجلالت کا عظیم مظہر ہے۔ اس دن لوگ انبوہ در انبوہ جامع مساجد کی طرف اللہ تعالیٰ عزوجل کا نام بلند کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ ایسے میں ملائک انہیں اپنے جھرمٹ میں لے لیتے ہیں اور حریم ناز سے رحمت و مغفرت کی بارش ہوتی ہے۔ جمعۃ الوداع کا یہ مبارک دن بلاشبہ دعاؤں کی مقبولیت کا دن ہے۔ اس دن امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود اور عالم اسلام کے عزت وغلبہ کے لئے خصوصی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ اس دن قضاء عمری نام کی کوئی نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں عمر بھر کی قضائیں اس ایک ہی سجدے میں ادا ہو جاتی ہیں۔

عوام میں یہ خیال نامعلوم کیسے اور کہاں سے رواج پا گیا ہے؟ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازیں رہ گئی ہیں وہ جمعۃ الوداع کی قضاء عمری کے دو نفل سے ادا نہیں ہو سکتیں اس کے لئے بہر حال ان فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔

﴿ماہِ رمضان المبارک کی چند یادگار تاریخیں﴾

● **3 رمضان المبارک 11 ہجری** وصال: سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔

خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ سرورِ عالم ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہے۔ آپ اعلانِ نبوت سے ایک سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

آپ کے صاحبزادوں میں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما بہت بلند پایہ امام ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی اور فرماتے تھے کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ حضرت فاطمہ کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا بہت بڑا رنج

ہوا۔ آخر اسی غم میں بیمار رہنے لگیں اور پھر 3 رمضان 11 ہجری میں وفات پا گئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عشاء کی نماز کے بعد جنت البقیع میں دفن کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے بعد جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ نیک اور سچا کسی کو نہیں پایا۔

● 10 رمضان المبارک 10 نبوت وصال۔ اُم المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی تاریخ ہے۔ خاندان قریش کی بہت پارسا اور مالدار خاتون تھیں۔ 40 سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ سے شادی کی۔ اعلانِ نبوت کے پہلے دن مسلمان ہو گئیں اور دنیا میں سب سے پہلی مسلمان خاتون ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد آپ ہی کے بطن انور سے پیدا ہوئی۔ صرف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور اپنے مال کو بے دریغ اشاعت اسلام میں خرچ کرتی تھیں۔ آپ کا نکاح ابو طالب نے پڑھایا تھا اور 500 درہم مہر آنحضرت ﷺ کی طرف سے ادا کئے تھے۔ 65 سال کی عمر میں 10 رمضان المبارک 10 نبوت میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ ابھی تک فرض نہیں ہوئی تھی۔

● 17 رمضان المبارک 2ھ غزوۂ بدر۔

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ ہوتا ہے۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے قریباً اسی میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں نے جب ہجرت فرمائی تو قریش نے ہجرت کے ساتھ ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی تھی کہ مسلمان قافلہ کو لوٹنے آ رہے ہیں اور اس پر مزید کہ حضرمی قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ حضور ﷺ کو جب ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور امر واقع کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں جاں نثارانہ تقریر کی۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ (سردار خزرج) نے عرض کی حضور! خدا کی قسم آپ اگر فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا ہم موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان پُر خلوص جملوں سے حضور سید عالم ﷺ کا چہرۂ اقدس چمک اٹھا۔

12 رمضان المبارک کو آپ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے روانہ ہوئے۔ ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا تو جو کم عمر تھے انہیں واپس فرمایا۔ حضرت عمیر ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک کمسن بچے تھے۔ ان سے واپسی کے لیے کہا گیا تو وہ رو پڑے۔ حضور ﷺ نے یہ دیکھ کر انہیں شامل جہاد رہنے کی اجازت دے دی۔ اب فوج کی کل تعداد 313 تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ 17 رمضان 6ھ سہ شنبہ کو اللہ کے دین کے ان سپاہیوں نے بدر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ادھر مکہ معظمہ سے قریش بڑے ساز و سامان سے نکلے۔

اُن کے پاس ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی۔ سو سواروں کا رسالہ تھا اور رؤسا قریش سب شریک تھے۔ امراء قریش باری باری ہر روز دس اونٹ ذبح کرتے تھے اور عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔ قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے اس لیے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

اس کے خلاف مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور تائید ایزدی سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور صحابہ نے جا بجا پانی روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے تاکہ وضو اور غسل کے کام آسکیں۔ قرآن کریم نے اس قدرتی احسان کا یوں ذکر فرمایا ﴿وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم﴾ ترجمہ: اور جب کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا تھا۔ لیکن ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام تھا۔ اس لیے دشمنوں کو بھی پانی پینے کی عام اجازت تھی۔ یہ رات کا وقت تھا۔ تھکے ہوئے مسلمان فوجیوں نے کمریں کھول کر رات بھر آرام کیا۔ لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبی ﷺ) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز فجر کے لیے جگایا اور بعد از نماز جہاد پر خطبہ ارشاد فرمایا۔

صبح ہوتے ہی آپ نے صف آرائی شروع فرمائی۔ دست اقدس میں ایک تیر تھا۔ اس کے اشارہ سے صفیں قائم فرماتے۔ مہاجرین کا عَلم حضرت مصعب بن عمیر کو، خزرج کے علمبردار حباب بن منذر اور اوس کے سعد بن معاذ مقرر فرمائے۔ اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں۔ حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام کی۔ قرآن نے اعلان کیا ﴿فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ﴾ (جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں۔) ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکرِ خدا تھا۔

یہ عجیب منظر تھا کہ اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے تھے "خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو

پھر قیامت تک تیری عبادت کے لیے کوئی نہ ہوگا"۔

یہ معرکۂ بدر جاں نثاری کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو ان کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے ان کی تلواروں کے سامنے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جو اب تک کافر تھے میدانِ جنگ میں بڑھے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار کھینچ کے سامنے تھے۔ عتبہ میدان میں آیا تو عتبہ کے فرزند حذیفہ رضی اللہ عنہ مقابلہ کو نکلے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ سب سے پہلے عتبہ نے میدانِ جنگ میں مبارزطلبی کی تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ وعبیدہ رضی اللہ عنہ میدان میں آئے۔ عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابل ہوا۔

سعد بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبید سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں نکلے۔ تاک کر اس کی آنکھ میں برچھی ماری۔ وہ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

اب عام حملہ شروع ہوگیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن حضور سید عالم ﷺ سربسجود رب العزت پر بھروسہ فرمائے ہوئے تھے۔

ابوجہل ننھے معاذ و معوذ کے ہاتھوں مارا گیا۔ عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے پر قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوجِ مشرکین میں بے دلی چھا گئی۔ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شخصوں نے شہادت پائی جن میں چھ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی طاقت ٹوٹ گئی۔ رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے ایک ایک کر کے مارے گئے۔

یہ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی اور اس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ رب العزت نے اس کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا اور تین ہزار فرشتے آسمانوں سے مسلمانوں کی حمایت و نصرت کے لیے نازل فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں فرشتے ہمیں نظر نہ آتے تھے مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا تھا اور کہیں بے تلوار سر کٹا نظر آتا تھا۔ جنگِ بدر دراصل یوم فرقان تھا کہ کفر و اسلام میں فرق ہوگیا اور اللہ عزوجل نے ضعف کے باوجود مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی چنانچہ اس نعمت کو یوں بیان فرمایا۔ ﴿ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة﴾ اللہ نے بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کی حالانکہ تم کمزور تھے۔

اہلِ بدر کے فضائل میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جنت مقرر فرما دی ہے۔ (حدیث) اس لڑائی نے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خلوص و للہیت کے ساتھ کلمۂ حق کی بلندی کے لیے میدان میں نکلا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ

نصرت حق ہمارے شامل حال رہے۔

آج بھی ہو گر ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

● 17 رمضان المبارک 57ھ وصال ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی تاریخ ہے۔ آپ حضرت ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ شوال 2ھ میں آنحضرت کے ساتھ شادی ہوئی اور آپ کے ساتھ 9 سال رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ بڑی زبردست عالمہ فقیہہ اور فاضلہ تھیں۔ اشعار سے بڑی دل چسپی رکھتی تھیں۔ آپ نے بہت کثرت سے احادیث بیان کی ہیں۔ بڑے بڑے صحابی آپ سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ آپ نے منگل کی رات 57ھ میں انتقال فرمایا۔ بقیع شریف میں مزار ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ تھا اور مروان مدینہ کا گورنر تھا۔

● 21 رمضان المبارک 40ھ وصال، چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے وصال کی تاریخ ہے۔ آپ ابوطالب کے بیٹے اور آنحضرت کے چچا زاد بھائی تھے۔ 32 ولادت نبوی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے اور بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور آپ بھی سچے جاں نثار تھے۔ ہجرت کی رات کو بستر رسول پر لیٹ کر آپ نے عدیم المثال محبت کا ثبوت دیا۔ تمام جہادوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے جو یادگار رہیں گے۔ خیبر کی فتح کا سہرا آپ ہی کے سر پر بندھا۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے والد محترم ہیں۔ 18 ذی الحجہ 35ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ ہوئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو دو مرتبہ اُن سے جنگ کرنی پڑی۔ پہلی جنگ جمل ہے جو 36ھ میں ہوئی۔ دوسری جنگ صفین ہے جو 37ھ میں ہوئی۔ خارجیوں کی مخالفت کو آپ نے بہت دبایا اور پھر ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کوفہ کی جامع مسجد میں 18 رمضان کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے خنجر سے حملہ کر کے سخت زخمی کر دیا۔ 2 دن کے بعد 21 رمضان کو وفات پا گئے۔ صاحبزادوں نے عبداللہ بن جعفر کی مدد سے غسل دیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نجف اشرف میں سپرد خاک کیا۔

تعدادِ رکعاتِ تراویح

ملاّ محمد علی

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور درود اس ذاتِ اقدس پر جو تمام رسولوں سے افضل ہے۔

نمازِ تراویح کیا ہے؟ یہ رمضان المبارک کا قیام ہے، جس کی دعوت نبی اکرم ﷺ نے دی اور پھر اپنے قول، فعل اور عمل سے اس کی تائید فرمائی۔ خود آپ ﷺ نے یہ نماز ادا کی اور ہمیں ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اس نماز کی ترغیب دلاتے ہوئے نبی ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے "جو کوئی ایمان و احتساب کے ساتھ ماہِ رمضان کا قیام کرے گا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔

یہ قیام اللہ کے قرب کے ذرائع میں سے عظیم ذریعہ اور اس کی اطاعت کے طریقوں میں سے عمدہ طریقہ ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ایک مومن عبادت کی لذت، چاشنی اور مناجات کی خاطر کھڑا ہو، اس ذاتِ باری کی بارگاہ میں جس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے خزانے نچھاور کر دیے ہیں اور اُن کے لئے ابوابِ رحم کھول دیے ہیں۔ نمازِ تراویح رمضان المبارک کی زینت ہے کہ اس سے رمضان کی راتیں منور ہوتی ہیں جیسے دن روزہ سے منور ہوتا ہے۔

اہلِ اسلام اور آئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ نمازِ تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور سب سے پہلے جس نے انہیں شروع کیا وہ خود نبی اکرم ﷺ ہیں کہ جنہوں نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ پہلے، دوسرے اور تیسرے روز نمازِ تراویح ادا کی جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ جب چوتھا روز ہوا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھر گئی تو نبی اکرم ﷺ نمازِ تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے کہ کہیں یہ فرض قرار نہ دے دی جائے۔ اس نبی ﷺ محسن کے ہم پر اس احسان کی خاطر اللہ رب العزت ان کے مرتبے بلند فرمائے اور اُن پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔

چنانچہ اس کے بعد سے مسلمان، الگ الگ انفرادی طور پر تراویح پڑھا کرتے یا چند افراد کسی کو اپنا امام بنا لیتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا اور کسی نے کہا اگر ان لوگوں کو کسی ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جاتا تو

اچھا ہوتا۔ چنانچہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سب سے اچھی قرأت کرنے والے صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں لوگوں کو جمع کیا۔ اب وہ جماعت سے لوگوں کو تراویح پڑھانے لگے۔

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو حضرت ابی کی اقتداء میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا "یہ ایک اچھا نیا کام ہے" صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔

اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نماز تراویح کی رکعت صرف آٹھ ہیں اور آٹھ پڑھنا ہی سنت ہے اور یہ کہ اگر کوئی آٹھ سے زیادہ پڑھے گا تو وہ بدعت کا مرتکب ہوگا، ایسا کہنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین کا ارتکاب ہوگا گویا اس نے صحابہ کو غلط راہ پر سمجھا درمندرجہ ذیل اسباب کی بناء پر اس نے نادانستہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

❶ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے "جو کوئی تم میں سے زندہ رہے گا بہت سے اختلافات دیکھے گا پس ایسے میں میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا۔"

❷ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا چنانچہ یہ اجماع صحابہ سے طے پایا کہ بیس ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت نہایت خطرناک امر ہے۔ کیونکہ اس سے (نعوذ باللہ) صحابہ کرام کو گمراہ ٹھہرانے کا پہلو نکلتا ہے کہ گویا وہ سب کے سب ایک غلط کام پر متفق ہوگئے جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔ پھر نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ "خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا" اس کی کیا توجیہ ہوگی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں۔ کیا واقعی ایسا نہیں؟ کسی کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں شک ہے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو سنت مطہرہ میں سند موجود ہے۔

❸ ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف چلیں، جبکہ ان کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔ عمر وہ ہیں کہ جن کی رائے کے مطابق متعدد مواقع پر نزول قرآن ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تین بار میں نے اپنی منشاء کو رب کی منشاء کے مطابق پایا۔

❹ بیس رکعت کے مسنون ہونے پر دلیل سنت میں موجود ہے۔ جیسا کہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ "جب حضرت

عمر ؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو ابی غائب ہو جاتے حتیٰ کہ لوگ کہنے لگتے ابی بھاگ گئے۔

⑤ اسی طرح موطا امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

⑥ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ انہوں نے یہ اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی بناء پر کیا ہے اور اس سے کم رکعات کسی نے نہیں کہیں۔ البتہ ایک روایت امام مالک کی 36 رکعت کی ہے، اور جو کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عمر ؓ کا عمل بدعت ہے جیسے کہ بعض علم کے دعویداروں کا کہنا ہے تو یہ ایک صحابی جلیل پر بہت بڑا بہتان ہے۔ جو کوئی کم علم، جاہل اور فہم و فراست سے خالی شخص ہی لگا سکتا ہے۔

⑦ ہمارا مرکز و محور حرمین شریفین ہیں اور حرمین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے آج تک ہمیشہ مسلمانوں نے بیس رکعت تراویح ہی ادا کی ہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں اتنے طویل عرصہ سے جو لوگ بیس تراویح ادا کرتے رہے کیا وہ سب جاہل تھے اور بدعت و گمراہی پر قائم رہے؟

اس دور میں اس ملک (سعودی عرب) کے علماء بدعتوں اور نئی نئی باتوں کے (بظاہر) سب سے زیادہ مخالف ہیں اگر یہ بیس رکعت بھی بدعت ہیں تو حرمین شریفین میں بدل کر آٹھ رکعات تراویح کیوں نہیں پڑھائی جاتیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس ملک کے علماء جانتے ہیں کہ بیس رکعت حضرت عمر ؓ کا عمل ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور جس پر امت محمدیہ کا اجماع ہو اسے کیوں کر تبدیل کیا جا سکتا ہے؟

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کا جہاں تک تعلق ہے جس میں آپ نے یہ کہا کہ "نبی اکرم ﷺ نے رمضان یا رمضان کے علاوہ کبھی بھی گیارہ رکعت سے زیادہ رات کی نماز نہیں ادا کی۔ اس میں وہ اس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں جو نبی اکرم ﷺ نے گھر میں ادا کی۔ اس بات کی تائید حضرت ابن عباس ؓ کی بات سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ گیارہ رکعتوں سے زیادہ ادا کی ہیں اور بارہ رکعت کے بعد وتر پڑھے ہیں چنانچہ ایک وتر ہو تو تیرہ رکعتیں ہوئیں اور اگر تین وتر حضور ﷺ پڑھتے تو یہ پندرہ رکعتیں ہو جاتیں اور یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ متعدد روایات میں سے ہے جبکہ مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شب سترہ رکعتیں ادا

کیں اور جس نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تھے، جیسا کہ دیگر روایات اور گزشتہ روایت بخاری میں ان کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت حضور ﷺ کی گھر پر نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ نماز تراویح سے متعلق جیسا کہ بعض اہل علم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

⑨ بعض لوگوں نے تراویح کے بارے میں کہا کہ جس نے آٹھ رکعت سے زیادہ ادا کیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی فجر کی چار رکعت ادا کرے یا جیسے کوئی دو رکوع اور چار سجدے ایک فرض میں کرے۔ یہ بات کتنی عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ نماز تراویح اجماع سے ثابت شدہ سنت ہے۔ اس کو فرض پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے اور اس کی مثال اس طرح کیسے دی جا سکتی ہے؟

⑩ ان تمام باتوں کے خلاصہ کے طور پر ہم وہ بات نقل کرتے ہیں جو باطل کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہے اور وہ ہے علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کا قول جو المغنی میں ہے کہ ابو عبداللہ احمد بن حنبل کے نزدیک تراویح بیس رکعت ہیں۔ یہی امام ثوری اور امام ابو حنیفہ وامام شافعی وامام مالک کا مذہب ہے۔ البتہ امام مالک کا ایک قول چھتیس رکعت کا ہے جو اہل مدینہ کے عمل سے متعلق ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہی کہ "ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کیا تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ لوگوں کو بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے جیسا کہ سنن ابو داؤد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور یہ ایک طرح کا اجماع ہے اور، گر یہ ثابت ہو جائے کہ اہل مدینہ چھتیس رکعت ادا کرتے تھے تو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اجماع صحابہ کی بنا پر قابل اتباع قرار پائے گا۔ (المغنی، جلد:1، ص:604)

علماء فقہائے امت نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا اور اسی پر حنبلی مذہب کے آئمہ کا عمل ہے اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالاجماع ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

ارکانِ اسلام میں نماز کے بعد دوسرا اہم ترین رُکن زکوٰۃ ہے۔ قرآن کریم میں 82 مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم یکجا وارد ہوا ہے۔

نمازِ تراویح میں چند توجہ طلب پہلو

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

نمازِ تراویح ایک ایسی عبادت ہے جو صرف ماہِ رمضان المبارک ہی میں ادا کرنا مسنون ہے اور یہ زمانہ رسالت مآب ﷺ سے آج تک مسلمانوں میں متواتر رائج چلی آ رہی ہے۔ نمازِ تراویح کی ترغیب خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" (مسلم)

شرح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں قیامِ رمضان سے مراد نمازِ تراویح ہے۔ دیگر شارحین حدیث نے بھی اس سے مراد نمازِ تراویح ہی لی ہے۔

﴿تاریخ و ابتداءِ تراویح﴾

صحیحین کی بعض روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے نمازِ تراویح پڑھی لیکن مصلحتاً جماعت کے ساتھ پورا مہینہ نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ آدھی رات کے وقت مسجد تشریف لے گئے اور نماز ادا کی لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کی دی۔ صبح لوگوں نے رات کی نماز کا آپس میں تذکرہ کیا چنانچہ پہلی مرتبہ سے زیادہ لوگ (اگلی رات میں) جمع ہو گئے۔ دوسری رات نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے صبح اس واقعہ کا (دیگر لوگوں سے) ذکر کیا (تو) تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور چوتھی رات کو اس قدر کثرت سے صحابہ کرام جمع ہوئے کہ مسجد میں جگہ تنگ پڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ ان (لوگوں) کے پاس تشریف نہیں لائے چنانچہ لوگوں نے نماز، نماز پکارنا شروع کر دیا مگر رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے وقت تشریف لائے۔ جب صبح کی نماز ہو گئی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد فرمایا' گزشتہ رات تمہارا حال مجھ پر مخفی نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ رات کی نماز (تراویح) فرض کر دی جائے گی اور تم اس

کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ گے۔ (مسلم)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی اکرم ﷺ کو نماز تراویح باجماعت پسند تھی مگر اس خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے فرض ہی قرار نہ دے دیں آپ نے تسلسل کے ساتھ مسجد میں باجماعت یہ نماز ادا نہیں فرمائی۔ پھر اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں الگ الگ بغیر جماعت نماز تراویح کا سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسلمانوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں مسجد میں نماز تراویح باجماعت کے لئے جمع فرمایا۔ پس اسی روز سے رمضان کے پورے ماہ میں باجماعت نماز تراویح بیس رکعت ادا کرنے کا رواج ہوا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ (اچھی نئی بات) ہے۔ (کنز العمال، جلد:8، ص:407-408)

نماز تراویح میں ختم قرآن

نماز تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام بھی سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہی کیا کہ ماہِ رمضان میں نماز تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم تلاوت کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی قائم کردہ اس سنت پر دنیا بھر کے مسلمان آج بھی عمل پیرا ہیں۔

البتہ آج جس طرح سے نماز تراویح میں ختم قرآن کرتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دور میں ہوتے تو ہمارا یہ انداز تلاوت وسماعت قرآن دیکھ کر یا تو اس کی اصلاح کی خاطر بعض آئمہ تراویح اور منتظمین کو کوڑے لگواتے یا اس سلسلہ کو سرے سے موقوف فرما دیتے۔ کیونکہ نماز تراویح میں جس تیز رفتاری سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے وہ نماز تراویح یعنی قیام رمضان کی اصل روح کے سراسر منافی ہے۔ نماز تراویح یا قیام رمضان کا مقصد تو یہ تھا کہ عام مہینوں کی بنسبت اس ماہ میں زیادہ دیر تک راتوں کو عبادت کی جائے اور قرآن کریم زیادہ اہتمام کے ساتھ کثرت سے تلاوت وسماعت کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرہ میں نماز تراویح میں ختم قرآن اب ایک رسم سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے حافظ یا امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا پسند کرتے ہیں جو انہیں جلد از جلد تراویح پڑھا کر فارغ کر دے۔ ایسے حفاظ کرام کو پکا اور صحیح حافظ سمجھا جاتا ہے جو انتہائی تیز رفتاری سے تلاوت قرآن کریں اور اس میں غلطی یا بھول چوک بھی نہ ہو۔ نوجوان طبقہ خاص طور سے اس طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور ایسی بہت سی مساجد جہاں مناسب رفتار سے ترتیل کے ساتھ الفاظ کی صحیح ادائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے نماز تراویح میں تلاوت ہوتی ہو، مقتدیوں کی زیادہ تعداد دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا

یہ مقصد ہرگز نہیں کہ سب سرے سے ایسے لوگ ہی نہیں جو سکون واطمینان سے تراویح میں تلاوت کلام حکیم حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ سننا نہ چاہتے ہوں، بلا شبہ ایسے نیک لوگ اب بھی ہیں مگر اکثریت کا حال وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

نمازِ تراویح میں مروجہ جلد بازی کا نقصان

نماز کے تمام ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون سے ادا کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری، اور فقہ حنفی کی دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ اعضاء کے سب جوڑ کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائیں۔ تیز رفتاری سے نمازِ تراویح میں یا کسی بھی نماز میں اگر تعدیل ارکان نہ ہو سکے جو کہ واجب ہے تو نماز ہی نہیں ہوتی۔ جن مساجد میں تیز رفتاری سے نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے وہاں یہ بات بطور خاص نوٹ کی گئی ہے کہ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں اطمینان و سکون ہی مفقود ہوتا ہے، خشوع و خضوع تو بعد کی بات ہے۔ بعض جگہ تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام نے نیت باندھ کر سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لی اور مقتدی ابھی ثناء بھی نہیں پڑھنے پائے۔

ایسی نماز سے کیا حاصل جس سے روحِ نماز ہی غائب ہو اور پورا زور کسی نہ کسی طرح بیس رکعت کی تعداد پوری کرنے اور جلد از جلد سوا یا ڈیڑھ پارہ ختم کرنے پر صرف ہو رہا ہو۔ خدارا اس عمل کی حوصلہ شکنی کیجئے۔ آئمہ تراویح کو اس بات کا پابند کیجئے کہ وہ تیز رفتاری سے نماز نہ پڑھائیں۔ نوجوانو! اپنے بچوں اور ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیجئے کہ وہ اطمینان و سکون سے نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اطمینان و سکون سے پڑھی ہوئی دو رکعتیں، جلد بازی اور بے سکونی کی بیس تراویح سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سورتوں کی پُر سکون تلاوت سے ادا کی گئی تراویح کی نماز تیز رفتاری، جلد بازی اور بے سکونی کی ان بیس رکعات سے افضل ہے جن میں آداب و قواعد تلاوت کا لحاظ کئے بغیر قرآن کرنا مقصود ہو۔

قرآن سنانے کی اجرت

نمازِ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرنا ایک قباحت ہے جو معاشرہ میں تیزی سے پھیلی ہے۔ بعض مساجد میں تو ایسے قدر دان لوگ مل جاتے ہیں جو بغیر کسی معاوضہ کے قرآن کریم سنانے کو تیار ہوتے ہیں تاہم ایسی مساجد کی کمی نہیں جہاں پہلے سے حافظ و قاری صاحب سے باقاعدہ اجرت طے کی جاتی ہے جسے عرف عام میں خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض حفاظ کرام (اللہ انہیں معاف کرے) طے کئے بغیر قرآن سنانے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب طے نہیں کرتے مگر انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس محلہ سے اتنی رقم اختتام تراویح پر ملنے کی توقع ہے۔ پھر اگر توقع سے کم ملے تو اس پر قناعت کی بجائے برملا اظہار ناراضگی و برہمی بھی فرماتے ہیں۔ نماز تراویح کے لئے یا قرآن پڑھنے یا

سنانے کے لئے اجرت پیشگی طے اور مقرر کرنا حرام ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جو قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرواتا ہے۔ لہٰذا مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں اور حفاظ کرام سے بصد احترام درخواست ہے کہ وہ قرآن سنانے کی اجرت طے کر کے لوگوں کی نمازیں خراب کرنے سے باز رہیں۔

نمازِ تراویح میں لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں نمازِ تراویح میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کیے جاتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز یہ بذاتِ خود ایک نزاعی مسئلہ ہے۔ تاہم نظریہ ضرورت یعنی زیادہ سامعین و مقتدین تک آواز پہنچانے کی غرض سے اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس جواز سے جو ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ حدِ جواز سے تجاوز ہے۔ شہری محلوں میں مساجد عموماً قریب قریب ہوتی ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز تیز ہوتی ہے جس سے ایک مسجد کی نمازِ تراویح کی آواز دوسری میں بآسانی پہنچ کر وہاں کے نمازیوں کے لئے باعثِ تکلیف بنتی ہے۔ نیز مساجد کی انتظامیہ اور منتظمین کو اللہ ہدایت دے تو انہیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ جس طرح مساجد میں مرد حضرات نمازِ تراویح میں مشغول ہیں اسی طرح گھروں پر خواتین بھی نماز ادا کرتی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی تیز آواز ان کی نماز میں یقینی خلل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو سامع خاموش ہو کر اسے سنے۔ اب علماء کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خواتین جن تک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پہنچ رہی ہے وہ اس آواز پر توجہ دیں اور اس تلاوت کو سنیں جو آپ انہیں زبردستی سنا رہے ہیں یا اپنی نماز پڑھیں؟

۔آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
کیا ہم نے اگر تو شکایت ہو گی

براہ کرم مساجد میں اوپر کے لاؤڈ اسپیکر جن کی آواز باہر جاتی ہے نمازِ تراویح کے دوران تو بند رکھے تاکہ گھروں پر موجود بوڑھے اور خواتین بھی اپنی نماز سکون سے ادا کر سکیں۔ ہاں البتہ مسجد میں موجود تمام لوگوں تک کی آواز تلاوت پہنچانے کی غرض سے (اگرچہ اس کے آپ شرعاً مکلف نہیں) صرف اندرونی اسپیکر استعمال کر لیا تو بہت سوں کا بھلا ہو۔ بیرونی اسپیکر پر یہ پابندی مساجد کی انتظامیہ اور آئمہ حضرات مل جل کر خود ہی لگا لیں تو بہتر ہے ورنہ عام مسلمانوں کے مطالبے پر اگر کبھی کوئی اسلامی حکومت یہ پابندی لگائے گی تو اسے مداخلت فی الدین گردانا جائے گا اور بدمزگی پیدا ہو گی۔

تین روزہ، چھ روزہ، دس روزہ تراویح

رمضان المبارک میں بڑے بڑے پوسٹرز اور اشتہارات کچھ ان عنوانات کے ساتھ چھپتے ہیں، تین روزہ تراویح، چھ

روزہ تراویح، دس روزہ تراویح کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔

عام لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ ایسے پروگراموں میں زیادہ جوش و خروش ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح ختم قرآن پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں کہ اس عمل خیر سے بے عملی کا جو پہلو برآمد ہو رہا ہے وہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بعض نوجوان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تین روزہ یا چھ روزہ تراویح میں اگر ختم قرآن ہو جائے اور اس میں شمولیت کر لی جائے تو پھر رمضان کی باقی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور عملاً ایسا ہو رہا ہے کہ چھ روزہ تراویح میں شامل ہونے والے اکثر نوجوان باقی ایام رمضان میں مسجد کا رخ نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس عمل کو پسند کیا ہے، جو اگرچہ تھوڑا ہو مگر اس پر مداومت یا تسلسل رہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا نیک عمل جو زور و شور سے ہو مگر اس پر مداومت نہ کی جا سکے اور تھوڑے سے عرصے بعد اس کے اثرات زائل ہو جائیں وہ بہر کیف نظر استحسان سے نہیں دیکھا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر زیادہ دوام ہو خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔“ (مسلم)

نماز تراویح پر مداومت اور رمضان کی تمام راتوں میں قیام اور وہ بھی اطمینان سکون کے ساتھ جبھی ہو سکتا ہے۔ جب سکون و اطمینان کے حصول کے جو طریقے ہیں ان پر عمل کیا جائے۔ ایسے تمام امور طریقوں سے اجتناب کیا جائے جو اس ماہ مقدس کی مخصوص عبادت (قیام) تراویح میں بے سکونی و بے اطمینانی کا باعث بنتے ہوں۔

رمضان کی راتوں میں یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ شروع کی تین چار راتوں میں مساجد میں نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ کم ہو کر نصف تک جا پہنچتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طویل نمازیں پڑھنے کے عادی نہیں یا سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے مگر احترام رمضان و حبس شیطان کی وجہ سے مساجد میں آنے لگتے ہیں، تین چار رات مسلسل ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ قیام کر کے تھک جاتے ہیں اور پھر آنا چھوڑ دیتے ہیں۔

اگر یہ اہتمام ہو کہ ہر محلہ میں کم از کم ایک مسجد ایسی ہو جہاں چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح پڑھنے کا انتظام ہو تو عبادت کی خاطر رمضان میں مسجد کی طرف اٹھنے والے یہ قدم جو دو چار دنوں میں تھک کر رک جاتے ہیں، ان میں دوام اور استقامت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر آئمہ حضرات ذرا سی توجہ دیں تو ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے عمل میں مداومت (ہمیشگی) پیدا کرنے کے خوگر ہو جائیں گے اور ایک ماہ کا یہ کورس انہیں رمضان کے بعد بھی عبادات کی طرف مائل ہی رکھے گا۔

﴿نوافل میں حاضر فرائض سے غائب﴾

بعض لوگ رمضان کی راتوں میں تراویح میں تو بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے شامل ہوتے ہیں مگر سحری کھانے کے بعد نیند سے مغلوب ہو کر فجر کی نماز جماعت سے اور وقت پر ادا نہیں کر پاتے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے کہ نوافل کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹنے پائے۔

دوسری طرف بعض حضرات جو رمضان کی راتوں میں شب بیداری کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں وہ دن کے اوقات میں اپنے فرائض منصبی (ڈیوٹی) صحیح طور پر ادا کرنے کی بجائے چھپ چھپ کر سونے کی کوشش کرتے ہیں یا دیر سے ڈیوٹی پر جاتے اور آنکھ بچا کر جلد نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے رزق حلال کمانے میں جو دیانتداری ومحنت مطلوب ہے وہ نہیں ہو پاتی اور یوں نفلی عبادت کی وجہ سے حقوق العباد میں کمی ہو جاتی ہے، جو کسی صورت بھی مستحسن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نفلی عبادات میں اس طرح وقت لگایا جائے کہ فرائض خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق متاثر نہ ہونے پائیں۔

نماز تراویح کا حقیقی لطف جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب اس کا اصل مقصد پیش نظر رہے اور وہ ہے حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرتے ہوئے فرائض وواجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ ماہ رمضان میں اضافی طور پر قیام اللیل کی کوشش کرنا اور کامل اطمینان وسکون اور خشوع وخضوع سے نماز تراویح میں کلام حکیم کی سماعت کرنا تاکہ سابقہ گناہوں کی بخشش ہو سکے۔

قطعاتِ تاریخہائے شہادت

مولانا سید کفایت علی کافیؔ رحمۃ اللہ علیہ

﴿بہشت نصیب شہید جنگ آزادی﴾

1247ھ

﴿سلطان دبستان نعت گویاں﴾

1274ھ

﴿لطف حق مولانا سید کفایت علی کافیؔ مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ﴾

1858ء

قطعاتِ تاریخِ شہادت
مولانا سید کفایت علی کافی

سید عارف محمود مجور رضوی

تاریخِ شہادت: 22 رمضان المبارک 1274ھ

اللہ اللہ شہیدِ حق، کافی | بحر و شانِ ثنا و مدحت ہے
زیست اس کی بسر ہوئی، کر کے | "نعت گوئی کی پوری خدمت" ہے

1858ء

تو رضا کا ہے نعت میں مرشد | منفرد تجھ پہ ہر سخن داں ہے
ذات کافی بلاشبہ، مجور | "خانوادہ نعت گویاں" ہے

1274ھ

تازہ تیرا نصاب نعت گوئی ہے | زمزمہ تیری کتاب نعت گوئی ہے
تاابد کافی رہے گی تیری مہک | تو "گلشنِ شاداب نعت گوئی" ہے

1274ھ

روح پھونکی تھی اس نے جذبات کی | جان اس نے عمل میں دوڑا دی
کہہ دو مجور سن شہادت کا | "مفضلِ ایزد، شہیدِ آزادی"

1274ھ

اے کہ فخر و شان و وقارِ جنگِ آزادی | اے باعثِ صد افتخار جنگِ آزادی
آؤ اپنائیں ہم مل جل کر سب، مجور | "سیرتِ قافلہ سالارِ جنگِ آزادی"

1274ھ

خدارا تاریخ سے انصاف کریں

علامہ جلال الدین ڈیروی

تحریک پاکستان کے رہنما، ممتاز ماہر تعلیم اور بین الاقوامی شہرت یافتہ مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں

''اس سے پہلے جو کچھ لکھا گیا تھا وہ سب یک طرفہ تھا، میرے پاس موجود مواد سارے کا سارا دیوبندیوں کے بارے میں تھا، اس لئے لکھتا گیا۔ میں نے یک تقریب میں کہا تھا کہ تاریخ کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں، تاریخ تو ایک علم کا وجود رکھتی ہے، آپ شہادت پیش کریں تو وہ فیصلہ کرے گی۔ آپ شہادت تو پیش نہیں کرتے، کچھ لکھتے اور بتاتے تو ہیں نہیں اور مورخ سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ خود ہی کچھ لکھے۔ اب کچھ لٹریچر سامنے آیا تو میں نے اس سے استفادہ کیا ہے اور مستقبل کا مورخ بھی استفادہ کرے گا''۔

جب میں علماء اہلسنت کے موضوع پر تحقیق کر رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ تحریک جہاد کے بارے میں اب تک لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے۔ اس موقع پر میں نے پروفیسر شاہ فرید الحق سے رجوع کیا اور ان کے ذریعے کچھ مواد حاصل کیا۔ ؂

ہمارے نزدیک ڈاکٹر صاحب کے ارشادات بالکل صحیح ہیں، اس صورت حال کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرانے والے راہنماؤں اور سنی علماء مشائخ کے عظیم کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لئے خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی جبکہ کانگریسی مولویوں کے عقیدت مندوں نے قلم کی قوت سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اپنی مرضی سے ایک خود ساختہ تاریخ مرتب کی، خدا کے خوف سے بے نیاز اہل قلم سے گلہ کرنا بے سود ہے۔ اس ضمن میں وہ غیر تو غیر، اپنوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ مولوی عامر عثمانی فاضل دیوبند رقمطراز ہیں ''جولائی 1960ء میں خاکسار کراچی میں تھا، یہاں سید محی الدین صاحب سے جو کبھی دارالعلوم (دیوبند) کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی تھے، جن کی نیک نفسی اور زہد و تقویٰ پر اُن کے واقف کاروں میں کوئی اختلاف نہیں اور جن کے گہرے تعلقات مولانا مناظر احسن گیلانی سے بھی تھے، ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک موقع پر انہوں نے واقعہ سنایا کہ جب ''سوانح قاسمی'' کے چھپنے کی تیاریاں تھیں تو ہمیں اس کو پڑھنے کا بے حد اشتیاق لگا ہوا تھا، چھپ کر آ گئی تو ذوق وشوق سے پڑھا لیکن بڑی حیرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جن تاریخی امور کا ہمیں علم تھا، ان کا تو اس میں دُور دُور تک پتا نہیں مگر ایک نئی تاریخ ضرور موجود ہے۔

اضطراب ضبط نہ ہوا تو سفر کر کے گیلانی صاحب کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا لکھ دیا؟ گیلانی صاحب کے چہرے پر کرب کی علامات ظاہر ہوئیں اور تاسف کے ساتھ فرمانے لگے، کیا بتاؤں بھائی! کمال ہو گیا جو کچھ میں نے لکھا تھا وہ تو کچھ اور ہی تھا"۔

ہم نے پوچھا، اس کا کیا مطلب ہوا؟ انہوں نے فرمایا "میرے تقریباً پانچ سو صفحات بدل دیئے گئے ہیں۔" اس حقیقت کو اور بھی متعدد حضرات جانتے ہیں اور وہ ابھی زندہ ہیں کہ دارالعلوم کی طرف سے چھاپی ہوئی دارالعلوم کی مستند تاریخ "سوانح قاسمی" کس بے تکلفی کے ساتھ اصل مسودے میں تحریرات کر کے چھاپی گئی ہے اور تغیرات معمولی نہیں بلکہ وسیع تر اور بنیادی ہیں"۔ ؎

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر تاریخ کو مسخ کر کے از سر نو مرتب کرنے پر "نوبل پرائز" عطا کرنے کا رواج ہوتا تو یہ حضرات یقیناً اس کے مستحق قرار پاتے۔

اہل سنت کی غفلت کی وجہ سے عام تاریخ بلکہ نصابی کتب میں بھی ان لوگوں کو ہیروز کی شکل میں پیش کیا گیا جو پہلے انگریزوں اور اس کے بعد ہندوؤں کے ہمنوا تھے، اس کے برعکس اصل مسلمان رہنماؤں کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا گیا ہے گویا وہ انگریزوں کے زرخرید غلام تھے، ان کے اشاروں پر کام کرتے تھے اور بالآخر انگریزوں نے جاتے وقت ان خدمات کے عوض انہیں ایک آزاد خود مختار ملک "پاکستان" بطور تحفہ دے دیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ نصابی کتب میں بغیر کسی ہیر پھیر کے تحریک پاکستان کے حامی اور مخالف مذہبی اور دیگر رہنماؤں کا تذکرہ شامل کیا جاتا اور ان میں سے جس نے جو کچھ کیا تھا، اسے نہایت دیانتداری کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا جاتا۔ اس طریقہ کار سے چونکہ یہ حقیقت سامنے آجاتی کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے جبکہ سیکولر عناصر اور اکھنڈ بھارت کے علمبردار مولوی عوام کے ذہنوں سے یہ بات نکالنے کی تگ و دو کر رہے تھے لہٰذا ان کے ہاں یہ طے ہو گیا کہ دو قومی نظریہ کا پرچار کرنے والے کسی عالم دین کا نام کسی نصابی کتاب میں شامل نہ کیا جائے۔ ان کتب میں چونکہ مذہبی رہنماؤں کی کارکردگی کا ذکر کرنا بھی بہرحال ضروری تھا، جس کا حل یہ نکالا گیا کہ انگریزوں کے منظور نظر اور مشرک لیڈروں مسٹر گاندھی، نہرو، پٹیل وغیرہم کی قیادت میں کام کرنے والے قوم پرست مولویوں کے نام انگریزوں کے جانی دشمن کے روپ میں شامل کیے جائیں۔

ان کتب میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ قائدین تحریک بالاکوٹ نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا تھا، سکھوں کے بعد وہ اپنے اصل ہدف انگریز کی گردن مروڑ کر اسے یہاں سے نکالنا چاہتے تھے لیکن سرحد کے "منافقین" نے انہیں شہید کرا دیا۔ فلاں فلاں حضرات انگریز کے خلاف ڈٹ گئے، اگر وہ جدوجہد نہ کرتے تو انگریز یہاں سے کبھی نہ جاتا اور اس

طرح پاکستان قائم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مخالفین تحریک پاکستان کے مراکز دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ کا تذکرہ اس انداز میں کیا گیا گویا اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو متحدہ ہندوستان میں اسلام ختم ہو جانے کا خدشہ تھا۔

جو طالب علم اس نصاب کو پڑھ کر فارغ تحصیل ہوتا ہے اسے یہ جاننے کی خواہش ضرور ہوتی ہے کہ جن مذہبی رہنماؤں کے متعلق اس نے پڑھا ہے انہوں نے جدوجہد ضرور کی تھی لیکن وہ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان میں شامل نہیں تھے۔ سواد اعظم سنی بریلوی حضرات کے متعلق بھی کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ اس دوران کیا کر رہے تھے، ان کے دارالعلوم اور تنظیمیں بھی تھیں اُن کا رجحان کس جانب تھا؟ اسلام کو اگر دارالعلوم دیوبند، ندوہ اور جامعہ اسلامیہ نے بچایا تو کیا سنی بریلوی دینی مدارس اسلام کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال بھی بار بار آتا ہے کہ چونکہ متحدہ ہندوستان کے سب مسلمان کسی نہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے اگر کسی بھی مسلک کے رہنما مسلم لیگ کے حامی نہیں تھے تو پاکستان کے لئے جدوجہد کن لوگوں نے کی تھی؟ ان شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لئے آج کی مصروف دنیا میں تحقیق کرنے کے لئے کسی کے پاس وقت ہی نہیں۔ اس لئے فارغ التحصیل طالب علم کو اگر گھر میں کوئی اصل حقائق سے آگاہ نہ کرے تو وہ نصابی کتاب میں درج معلومات کو درست سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ راقم الحروف عرصہ دراز تک قائدین تحریک بالاکوٹ اور اُن کے پیروکاروں کو مجاہدین اسلام سمجھتا رہا لیکن بعد میں جب علمائے حق کے لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا تو اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کر لیا۔

اس لحاظ سے تو ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں، ہندوؤں، قوم پرست مولویوں اور انگریزوں کو شکست دے کر پاکستان بنانے کی توفیق عطا فرمائی جو آج بفضل خدا ایٹمی قوت بن چکا ہے لیکن یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ یہاں نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ نہ ہوا جو قیام پاکستان کا اصل مقصد تھا، اس کے لئے ہم سب کو بروز محشر جواب دینا ہوگا۔

اس کے علاوہ ہمیں ایک اور دھچکا لگا کہ بھارتی رہنما اگرچہ اکھنڈ بھارت قائم کرنے میں ناکام رہے لیکن انہوں نے گاندھی فلسفہ متحدہ قومیت کو پس پشت نہیں ڈالا بلکہ جن نیشنلسٹ مولویوں نے اس نظریہ کو برحق ثابت کرنے کے لئے قرآن وسنت سے دلائل فراہم کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، ان کی خدمات کی سرکاری سطح پر تشہیر کی، ان کی تحریروں، تقاریر اور بیانات کو ہندی، عربی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کر کے دنیا بھر کے اہل علم تک پہنچایا اور یہ تاثر پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں کا نقطہ نظر بھی یہی تھا کہ قومیت کا کوئی جھگڑا نہیں۔ سب ہندوستانی بلاتفریق مذہب بھائی بھائی تھے لیکن انگریزوں نے متحدہ ہندوستان کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے اسے تقسیم کیا۔ ہماری (پاکستانی) حکومت نے اس بے بنیاد پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

اہلسنت کا دعویٰ

اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی ﷫ اور دیگر سنی قائدین نے 1857ء کی جنگ آزادی میں نہ صرف انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے دیئے بلکہ خود بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اُن کی جائیدادیں ضبط ہوئیں اور بعض کو پھانسی کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد سنی رہنماؤں نے مسلسل انگریزوں کے خلاف مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کی۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ نے دوقومی نظریہ کا احیاء کیا، ہندو مسلم اتحاد کی شدید مخالفت کی، مسٹر گاندھی کی سربراہی کو مسلمانوں کے لیے ضرر قرار دیا اور انگریزوں کی طرح ہندوؤں سے بھی ترکِ موالات کرنے کی ہدایت فرمائی۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ مسلمان اپنی تنظیم بنائیں اور اپنی انفرادیت قائم رکھتے ہوئے ایک مسلمان سربراہ کی زیرِ قیادت جدوجہد آزادی میں حصہ لیں۔

فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلفاء، معتقدین اور دیگر ہم مسلک علماء ومشائخ نے ان ہی خطوط پر کام کیا۔ ان میں سے کسی نے بھی کانگریس کی حمایت نہیں کی بلکہ بعض براہ راست مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور مختلف عہدوں پر فائز رہے جبکہ اکثریت نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے نظریہ پاکستان کے لئے شب وروز کام کیا جو فاضل بریلوی نوراللہ مرقدہ کے دست راست اور مایہ ناز خلیفہ صدر الافاضل مولانا مفتی نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ کی کوششوں سے 1925ء میں وجود میں آئی۔ ان قابل احترام بزرگوں نے کانگریسی مولویوں کے ایک قومی نظریہ کا مؤثر رد کیا اور ان کا ہر موڑ پر پیچھا کیا۔ مزید یہ کہ سنی علماء ومشائخ نے مسجدوں اور عام جلسوں میں تقاریر کر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی رغبت دلائی اور اسے عوامی جماعت بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا، نیز عوام سے چندہ دلوا کر مسلم لیگ کا خزانہ بھر دیا۔ 1945-46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب کروانے کی خاطر مسلمانوں کے گھروں پر دستک دی۔

یہ دعویٰ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ ان حضرات کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قوم پرست مولویوں کی انتخابی مہم ناکام ہوئی اور ان کے امیدواروں کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ اس طرح ان کانگریسی مولویوں کا یہ پروپیگنڈہ جھوٹا ثابت ہوا کہ مسلمان عوام کی اکثریت ان کے ساتھ ہے، نیز اس ذلت آمیز شکست کی وجہ سے انہیں اپنے آقاؤں کے سامنے شرمندگی ہوئی اور وہ ان کی نظر سے گر گئے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ گاندھوی فلسفۂ متحدہ قومیت سے ہمدردی رکھنے والے لوگ آج بھی ان سنی قائدین کو برداشت

کرنے کے لئے آمادہ نہیں اور وہ انہیں بدنام کرنے کے لئے جھوٹ بولنے کو بھی کارِثواب سمجھتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اہلِ سنت جو کچھ کہتے ہیں وہ صحیح ہے لیکن اسے ثابت کرنے کے لئے مستند تحریری دلائل کی ضرورت ہے۔ آج اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ بھائی دکھاؤ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اہلِ سنت بحیثیت جماعت مسلم لیگ کے ساتھ تھے؟ ممکن ہے بعض ایسے لوگ موجود ہوں جن کے پاس اس موضوع پر کچھ کتب و رسائل موجود ہوں اور وہ پوچھنے والے کو مطمئن بھی کر دیں لیکن چونکہ مخالفین کی طرح نہ تو وافر مقدار میں اس قسم کا لٹریچر شائع کیا گیا ہے اور نہ ہی وسیع پیمانے پر اس کی تشہیر کی گئی ہے، اس لئے گزشتہ چند سالوں میں جو قابلِ ذکر کتابیں بازار میں آچکی ہیں، اکثر سنی حضرات اُن کے ناموں سے بھی واقف نہیں اور مذکورہ کتب بھی صرف چند شہروں میں دستیاب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو بتانا تو درکنار، اہلِ سنت کی اکثریت خود ہی اپنے ان بزرگوں کے اسماءِ گرامی تک نہیں جانتی جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصہ لیا تھا۔

سنی اہلِ قلم کی اکثریت کی ابھی تک قلم چھوڑ ہڑتال جاری ہے جبکہ مخالفین مسلسل یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ سنی بریلوی حضرات نے کسی بھی تحریک میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان کے بڑوں نے مسلم لیگ کے چوٹی کے رہنماؤں پر کفر کے فتوے لگائے اور عمر بھر انگریزوں کے اشاروں پر ناچتے رہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ الزام لگانے والے خود یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن چونکہ انہیں یہ علم ہے کہ اہلِ سنت خوابِ خرگوش کی نیند سو رہے ہیں اور اگر کسی کونے سے کوئی آواز اٹھی بھی تو وہ اتنی مؤثر نہیں ہوگی اور ان کی مسلسل چیخ و پکار کو بالآخر سچ ہی سمجھا جائے گا۔ ہماری رائے میں ایسی صورتحال میں خاموش رہنا اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

﴿حوالہ جات﴾

۱ رضی حیدر، خواجہ۔ دو قومی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی اکیڈمی کراچی، ص ۱۸-۱۹

۲ ماہنامہ فیضان فیصل آباد، مارچ ۱۹۷۸ء، ص: ۳۶

۳ ماہنامہ تجلی دیوبند، فروری مارچ ۱۹۶۲ء، ص: ۵۷

☆ زکوٰۃ و صدقات وغیرہ میں افضل یہ ہے پہلے اپنے بہن بھائیوں کو دے، پھر اُن کی اولاد کو، پھر چچاؤں اور پھوپھیوں کو، پھر اُن کی اولاد کو، پھر ماموؤں اور خالاؤں کو، پھر اُن کی اولاد کو، پھر دوسرے رشتہ داروں کو، پھر پڑوسیوں کو، پھر اپنے پیشہ والوں کو، پھر اپنے گاؤں اور شہر کے رہنے والوں کو۔ ﴿جواہرِ عالمگیری﴾

پاکستان کے حقیقی معمار کون؟

مجیب احمد

ایک قول کے مطابق برصغیر میں جب پہلا شخص مسلمان ہوا پاکستان اسی دن ہی بن گیا تھا اور یہ شخص یقیناً سنی تھا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کی خشتِ اول ایک سنی نے رکھی۔ دو قومی نظریہ کے آغاز و ارتقاء کا سبب بھی ایک سنی ہی تھا۔ اُس اولین رہنمائے پاکستان اور ہمارے اکابر علماء و مشائخ اہل سنت و جماعت کے درمیان کئی صدیوں کا بعد ہے۔ جس کا اس مختصر وقت میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس فکری و علمی ارتقاء کو بیان کیے بغیر ہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے تمام سنی مجاہدین اور شہداء کو سلام پیش کرتے ہیں۔ اس جنگ آزادی کے بعد علماء نے کئی مدارس قائم کیے، مختلف انجمنیں اور جماعتیں قائم کیں، مختلف موضوعات پر لٹریچر شائع کرایا، تاکہ مسلمانوں کے دین و ایمان کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات کر کے انہیں آئندہ کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔

سنی علماء نے مئی 1921ء میں جماعت انصار الاسلام بریلی قائم کی جو اپنے دیگر مقاصد کے علاوہ مسلمانوں کی سیاسی تعلیم و تربیت کرنے کا مقصد بھی رکھتی تھی۔ اسی سال پیر سید صبغت اللہ شاہ دوم نے اپنے آباؤ اجداد کے زریں نقش قدم پر چلتے ہوئے انگریز سامراج کے خلاف جہاد کے لیے اپنے حُروں کو غازی کے نام سے منظم کیا اور انگریز کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ جس کے دوران انگریز کو سندھ کے بعض علاقوں میں مارشل لاء لگانا پڑا اور پیر صاحب کو 20 مارچ 1943ء کو پھانسی دے دی گئی۔

دو قومی نظریہ کے ارتقاء میں 1897ء کو پٹنہ میں ہونے والی سنی کانفرنس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس میں امام احمد رضا خاں بریلوی ﷫ نے ہندو مسلم اتحاد کی ہر سطح پر مخالفت کی۔ اسی لیے وہ 1916ء میں ہونے والی میثاق لکھنؤ اور تحریک خلافت ترک "دین کبریٰ" کا ہندو مسلم اتحاد کے نام سے احیاء کرنے کا منصوبہ تھا۔ مولانا احمد رضا خاں کے علاوہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور سندھ کے اکثر علماء و مشائخ بھی ان تحاریک کے مخالف تھے۔

یہ ان تحاریک کے دوران قائم ہونے والے نام نہاد ہندو مسلم اتحاد کا ہی نتیجہ تھا کہ 1922ء کے آخر میں ہندوؤں نے شدھی تحریک کا آغاز کیا۔ اس کے سدباب کے لیے دوسری سنی تنظیموں کے علاوہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی اور انجمن

خدام الصوفیہ ہند اور اس کے رہنماؤں خصوصاً مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی اور پیر جماعت علی شاہ علی پوری نے شاندار خدمات سرانجام دیں اور تقریباً چار لاکھ افراد کو مرتد ہونے سے بچایا۔

مسلمانانِ ہند کے خلاف انگریز اور ہندوؤں کے ساتھ ساتھ قوم پرست رہنماؤں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے خلاف اہل سنت کی منتشر قوتوں کو ایک پلیٹ فارم کے ذریعے مربوط و منظم کرنے کے لیے مارچ 1925ء میں مراد آباد میں "آل انڈیا سنی کانفرنس" کا قیام عمل میں آیا۔ ابتداً یہ ایک خالص دینی و تبلیغی جماعت تھی تاہم بعد ازاں حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت اس نے سنی مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کے لیے بھی اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اسی طرح نومبر 1927ء میں پیر محمد فضل شاہ جلال پور شریف نے تحریک حزب اللہ کا آغاز کیا۔ جس کے مقاصد میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اُن کی سماجی و دینی حالت کو بہتر کرنا بھی شامل تھا۔

1936-1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست کا سامنا کرنے کے بعد اپنی تنظیم نو اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے رابطہ قائم کرنا کا احساس ہوا۔ دوسرے طبقات کی طرح علماء و مشائخ نے بھی مسلم لیگ کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے اس سے ہر ممکن تعاون کرنا شروع کر دیا اور اپنے حلقہ ہائے اثر میں مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کا بھرپور انداز میں آغاز کر دیا۔ اس سلسلے میں پیر جماعت علی شاہ، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا محمد برہان الحق جبل پوری کے ہندوستان بھر کے طوفانی دوروں کی اہمیت اور اثرات کے جھنڈے کو اسلام کا جھنڈا اور باقی تمام جھنڈوں کو کفر کے جھنڈے قرار دیا گیا۔

23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے تاریخی سالانہ اجلاس میں قرارداد لاہور (جسے بعد ازاں قرارداد پاکستان کہا گیا) منظور کی گئی۔ اس اجلاس میں سنی علماء و مشائخ بھی موجود تھے جن میں نمایاں نام مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، پیر مین الحسنات مانکی شریف، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، مولانا عبدالغفور ہزاروی، پیر عبداللطیف زکوڑی شریف، مولانا محمد بخش مسلم، مولانا ابراہیم علی چشتی اور مولانا محمد عبدالستار خان نیازی ہیں۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے تو قرارداد کے حق میں پُرزور تقریر بھی کی تھی۔ اس قرارداد کا منظور ہونا تھا کہ سنی علماء و مشائخ نے پورے ہندوستان میں مطالبۂ پاکستان کے حق میں مسلم رائے عامہ کو ہموار اور منظم کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران سلطان الواعظین حضرت مولانا ابو النور محمد بشیر کوٹلوی ﷫ کا یہ شعر بھی خاصا مقبول ہوا۔

پاک اللہ پاک احمد پاک جسم و جان ہو
کیوں نہ رہنے کے لیے ملک پاکستان ہو

علماء کی اسی حمایت کی تحریک کو مزید تقویت اس وقت ملی جب اپریل 1943ء میں مسلم لیگ نے علماء و مشائخ کے نام باقاعدہ ایک اپیل جاری کی۔ جس کے ذریعے اُن سے درخواست کی گئی کہ وہ اور ان کے لاکھوں پیروکار مطالبہ پاکستان کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ جہت کوشش کریں۔ چنانچہ اس اپیل کے بعد سنی علماء و مشائخ نے ہندوستان بھر میں اور خصوصاً مسلم اکثریتی صوبوں میں جلسوں' عرس کی تقریبات اور محافل میلاد و دیگر دینی و روحانی تقریبات کے ذریعے نظریہ پاکستان اور مطالبہ پاکستان کے لیے مسلمانوں کو یکسو کر دیا۔ اس تحریک کا نقطہ کمال 1945-1946ء کے انتخابات کی انتخابی مہم تھی۔ یہ انتخابات پاکستان یا اکھنڈ بھارت کی بنیاد پر لڑے گئے۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو جو بھاری اکثریت حاصل ہوئی وہ سنی علماء و مشائخ کی حمایت کی مرہونِ منت تھی۔

ان انتخابات کے کچھ عرصہ پہلے اکتوبر 1945ء میں پیر صاحب مانکی شریف نے مانکی شریف میں ایک اجتماع میں "جمعیت الاصفیاء" کے قیام کا اعلان کیا اور آئندہ انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ پاکستان میں شریعت اسلامیہ کو بالادستی حاصل ہوگی۔ جمعیت الاصفیاء کے اس تاسیسی اجلاس میں ہندوستان بھر کے 500 سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔

اس انتخابی مہم میں کئی علماء و مشائخ نے اپنے فتاویٰ اور اپیلوں کے ذریعے اپنے مریدین کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً پُرزور اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کو اپنے اپنے حلقوں میں کامیاب کرائیں کیونکہ مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی بنیاد ایک اسلامی رفاہی مملکت کا قیام ہے۔ اس سلسلے میں پیر جماعت علی شاہ' پیر فضل شاہ' میاں علی محمد خان بسی شریف' سید سدید الدین تونسہ شریف' دیوان سید آل رسول علی چشتی اجمیر شریف' پیر غلام محی الدین گولڑہ شریف' خواجہ قمر الدین سیالوی سیال شریف' مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی' خواجہ نواب الدین چشتی رمداسی' مولانا امجد علی اعظمی' پیر محمد حسن جان سرہندی اور پیر عبدالرحمن بھرچونڈی شریف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نام نمایاں ہیں۔

علاوہ ازیں AISC (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی طرف سے 55 علماء و مشائخ کا ایک مشترکہ بیان جاری ہوا جس میں مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا۔ ان اپیلوں اور فتاویٰ کے علاوہ علماء و مشائخ نے ہندوستان کے اکثر علاقوں کا دورہ کر کے مسلم لیگ کے انتخابی مہم عملی طور پر بھی چلائی۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے بنگال' پنجاب' بہار' مدراس' دہلی' یوپی' جونا گڑھ' راجپوتانہ اور کاٹھیاوار کا تفصیلی دورہ کیا۔ سید محمد محدث کچھوچھوی اشرفی نے بنارس کا دورہ کیا۔ پیر فضل شاہ نے پوٹھوہار اور وادی سون کا' خواجہ قمر الدین سیالوی نے ضلع سرگودھا اور جھنگ کا' پیر غلام محی الدین گولڑوی نے راولپنڈی اور گوجر خان کا' پیر محمد حسن شاہ علی پوری نے صوبہ سرحد کا جبکہ پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے صوبہ سرحد

کو اپنی توجہ اور انتخابی مہم کا مرکز بنایا۔

پیر صاحب مانکی شریف نے اسی دوران ایک جلسہ میں کہا کہ اگر انگریز نے ہمارا مطالبہ پاکستان قبول نہ کیا تو وہ تمام مسلمانوں پر جہاد فرض قرار دے دیں گے تاکہ وہ بزور بازو پاکستان حاصل کر لیں۔ پیر صاحب کی انہی خدمات جلیلہ کا نتیجہ تھا کہ قائد اعظم نے 24 نومبر 1945ء کو مانکی شریف میں حاضری دی اور پیر صاحب کی نظریہ پاکستان اور قیام پاکستان کے سلسلے میں ان کی طرف سے جاری جدوجہد کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے تحریری وعدہ کیا کہ پاکستان کے آئندہ بننے والے آئین کی بنیاد "قرآن وسنت" ہی ہوگی۔ ان انتخابات میں کئی علماء و مشائخ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب ہوئے' ان میں پیر سید مہر جلال پور شریف' مولانا حسرت موہانی' مولانا محمد برہان الحق جبل پوری' پیر صاحب ذکوڑی شریف اور مولانا عبدالستار خان نیازی نمایاں ہیں۔

تحریک پاکستان میں سنی علماء و مشائخ کی خدمات کے حوالے سے اپریل 1946ء میں منعقد ہونے والی بنارس سنی کانفرنس کے نتائج و اثرات کا ذکر نہ کرنا تاریخی حقائق کو شعوری طور پر مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ اس کانفرنس میں علماء و مشائخ اور عوام اہل سنت ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے اور AISC (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے نئے صدر سید محمد محدث کچھوچھوی کی قیادت میں مطالبہ پاکستان کے حق میں ایک تاریخی قرارداد منظور کی جسے "قرارداد لاہور ثانی" بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس قرارداد کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ AISC کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے۔ اس میں اس عزم کا بھی اظہار کیا گیا کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ممکن قربانی دیں اور پاکستان کے لیے ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔

AISC کی قیادت کی پاکستان میں کتنی گہری اور جذباتی وابستگی تھی اس کا اندازہ اس تحریر سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جو AISC کے ناظم اعلیٰ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے AISC پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری کو ایک خط کے ذریعے ارسال کی۔ انہوں نے لکھا کہ سنی کانفرنس ہرگز مطالبہ پاکستان سے دست بردار نہ ہوگی۔ اگر بالفرض مسٹر جناح مطالبہ پاکستان سے دست بردار بھی ہو جائیں تو بھی سنی کانفرنس اس میں ان کی حمایت نہ کرے گی اور اپنا مطالبہ پاکستان ضرور حاصل کرے گی۔

بنارس کانفرنس کے بعد ایک نئے اور فیصلہ کن جذبہ کے تحت علماء و مشائخ نے قیام پاکستان کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ جس کو مزید بہتر اور منظم کرنے کے لیے پنجاب مسلم لیگ نے نومبر 1946ء میں ایک مشائخ کمیٹی بنائی۔ اس کے سیکرٹری مولانا

ابراہیم علی چشتی تھے اور اس میں سید محمد محدث کچھوچھوی، پیر جماعت علی شاہ، پیر صاحب مانکی شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر فضل اور پیر غلام محی الدین گولڑوی نمایاں تھے۔

قیام پاکستان کی جدوجہد میں، جولائی 1946ء میں سرحد میں ہونے والا ریفرنڈم آخری معرکہ حق و باطل ثابت ہوا۔ اس معرکہ میں بھی علماء و مشائخ نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ ان میں نمایاں نام پیر صاحب مانکی شریف کا ہے کہ جن کے بغیر اس ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں 99% ووٹ حاصل کرنا مسلم لیگ کے لیے ناممکن تھا۔ پیر صاحب مانکی شریف کے علاوہ، پیر صاحب زکوڑی شریف، حافظ خواجہ سدید الدین تونسہ شریف، پیر جماعت علی شاہ، مولانا عبد الحامد بدایونی، خواجہ قمر الدین سیالوی، پیر محمد حسن سلطان باہو، پیر سید غلام محی الدین گولڑوی، مولانا برہان الحق جبل پوری اور مولانا عبد الستار خان نیازی نے بھی سرحد کا دورہ کر کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے کے لیے قائل کیا۔

آج پاکستان میں اکابرین تحریک پاکستان کے حقیقی اور روحانی فرزند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے دوران کیے گئے وعدوں کو عملی شکل دینے کے لیے میدان عمل میں آئیں۔ جیسے آپ ان اکابرین کے دینی و روحانی ورثہ کے وارث ہیں اسی طرح آپ پر یہ اخلاقی قرض ہے کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کے وعدہ کو پورا کریں اور حکومت وقت سے کروائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان بنانے والے سنی تھے اور اس کو بچانے والے بھی صرف سنی ہی ہوں گے۔

آپ حضرات سے ایک اپیل کروں گا کہ آپ کے پاس تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے حوالے سے جو بھی مواد موجود ہو براہ مہربانی اس کو مرتب کروا کر شائع کریں تاکہ یہ ریکارڈ محفوظ ہو سکے۔ ساتھ ساتھ آپ حکومت سے مطالبہ کریں کہ ان اکابرین تحریک پاکستان کی خدمات کو ہر سطح کے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ ان کے بارے میں میڈیا سے خصوصی پروگرام پیش کیے جائیں، ان کے نام پر یادگاری ٹکٹ جاری کیے جائیں، ملک کی اہم عمارتوں، تعلیمی اداروں اور شاہراؤں کے نام ان شخصیات کے نام پر رکھے جائیں تاکہ ان اکابرین کی پُرخلوص اور بے لوث خدمات کا کچھ نہ کچھ صلہ دیا جا سکے۔

☆ بہو، داماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوجہ کی اولاد جو دوسرے شوہر سے ہو یا شوہر کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہو اور دوسرے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ ﴿ردالمحتار﴾

دو قومی نظریہ اور علمائے اہلسنت

مولانا محمد فیض احمد اویسی

جب دیارِ ہند میں دو قومی نظریہ کا نعرہ بلند ہوا تو انگریزوں اور ہندوؤں کے اس خطرناک منصوبہ کے مہلک نتائج کو پہلے ہی مرحلے میں بھانپ کر جس عالم ربانی نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز اٹھائی وہ امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ تھے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا ''ان کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے مگر دوسری ابھی تک بند ہے۔'' یعنی انگریزوں سے مخالفت والی آنکھ کھلی ہے لیکن ہندوؤں سے دلی محبت رکھتا ہوں سمجھو کہ دوسری آنکھ ابھی بند ہے۔

● وہابیوں اور دیوبندیوں نے اپنے پٹنہ کے جلسہ میں ایک وقت انگریز کی تعریف میں یہ الفاظ کہہ دیئے کہ ''گورنمنٹ انگریزی کا معاہدہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے''۔ امام شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کو معلوم ہوا تو آپ نے عظیم آباد میں ان کا رد فرماتے ہوئے کہا ''ندوہ تمام بے دینوں گمراہوں کے اتحاد کو فرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا معاہدہ الخ یہ کلمات خرافات اور موجب غضب ذوالجلال ہیں''۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج:1، ص:127)

● سنی کانفرنس پٹنہ 1897ء میں فرمایا ''تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے جذبات کی۔ کیسے کیسے شریعت کو بدلتے 'مسلے' پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں۔ موالات مشرکین ایک 'معاہدہ مشرکین دو' استعانت بالمشرکین تین 'مسجد میں علاء مشرکین چار' ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے''۔ (المحجۃ المؤتمنہ، ص:86)

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان نے مسلمانانِ ہند کی بروقت رہنمائی کی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ملک بھر میں دو قومی نظریہ کی حمایت اور ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت ایک ملک گیر تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے 1897ء میں دو قومی نظریہ کا جو تصور پیش کیا اور ہندو مسلم اتحاد کے بطلان پر جو بیان دیا تو اس کی روشنی میں چودھری رحمت علی، علامہ اقبال اور مسٹر محمد علی جناح نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست (پاکستان) کا مطالبہ کیا اور حصول پاکستان کے لیے علماء و مشائخ اہل سنت اور مسلمانوں نے جان کی بازی لگا دی۔

جب مسلمان مسلم لیگ کے ماتحت متحد ہو کر حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں مصروف ہوئے تو ہندوؤں کے آلہ کار کانگرسی علماء نے ہندوؤں کا ساتھ دیا اور پاکستان کے حصول کی راہ میں سازشوں کے جال بچھا دیئے تو اس نازک موڑ پر مسٹر محمد علی جناح نے علماء اہلسنت وجماعت سے تعاون کی مزید اپیل کی چنانچہ مولانا قاضی احسان الحق ”مفتی بہرائچ“ کی قیادت میں اہلسنت علماء کا ایک وفد کلکتہ میں مسٹر محمد علی جناح سے ملاقی ہوا۔

مسٹر محمد علی جناح نے صاف اور واضح لفظوں میں علماء اہلسنت کو یقین دلایا کہ پاکستان کے قیام کا مقصد وحید خطۂ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اور کتاب وسنت کی حکمرانی ہے۔ اس وضاحت کے بعد سنی علماء ومشائخ نے تحریک پاکستان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ (دعوت حق، ص: 11)

نیشنلسٹ علماء اور ہوس پرست لیڈروں کی پاکستان دشمنی کے محاذ کو پاش پاش کرنے اور متحدہ ہندوستان کے جمہور اہلسنت وجماعت کو جدوجہد آزادی کے لیے منظم کرنے کے لیے اکابر اہلسنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ﷫ کے خلیفہ امجد، مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی، محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی اور صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے 1946ء میں بنارس میں تمام ملک کے رہنمائے ملت کی آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کر کے مطالبہ پاکستان کی تحریک کو کامرانی کے آخری مراحل میں داخل کر دیا۔ کانفرنس میں سات ہزار مستند علمائے کرام اور مشائخ عظام نے شرکت فرمائی اور اعلان کیا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے۔

یہ اجلاس امیر شریعت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری ﷫ کی صدارت میں منعقد ہوا اور ملک بھر کے تمام اہلسنت کو پاکستان کی حمایت میں ووٹ دینے کے لیے تبلیغی دورے کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اکابر اہلسنت کی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ 1 مفتی اعظم ہند حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی 2 حضرت مولانا ابو المحامد سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی 3 صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی 4 شیخ الاسلام حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی 5 صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) 6 مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی 7 حضرت خواجہ سید شاہ دیوان آل رسول علی خان سجادہ نشین اجمیر شریف 8 مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد قادری، امیر دار العلوم حزب الاحناف لاہور 9 مجاہد تحریک پاکستان مولانا عبد الحامد بدایونی 10 حضرت پیر سید عبد الرحمٰن شاہ صاحب بھرچونڈی شریف (سندھ) 11 حضرت مولانا سید زین الحسنات پیر آف مانکی شریف 12 صدر تحریک ختم نبوت حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب قادری لاہور ● خان بہادر حاجی مصطفیٰ علی صاحب

مدراس۔ (خطبہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس)

حصول آزادی اور ارض پاکستان:

ان اکابر اہلسنت نے تمام سینوں میں حمایت پاکستان کی ایک ایسی روح پھونک دی کہ ایک انقلاب رونما ہوا حتیٰ کہ 1947ء میں ہندو اور انگریز سامراج نے تقسیم ملک کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور مسلمانوں کو اسلامی حکومت بنانے کے بے ملک کا ایک حصہ پاکستان کے نام سے مل گیا۔ مسلم لیگ کی مخالفت کا شعبہ کانگریس نے ابوالکلام آزاد کے سپرد کر رکھا تھا۔ انہوں نے مجلس احرار جمعیت علماء ہند، نیشنلسٹ کانفرنس، خدائی خدمتگار غیرہ ہر اس جماعت سے جو مسلم لیگ کی مخالفت میں پیش پیش تھی اپیل کی کہ تمام منظم ہو کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں۔ ابوالکلام آزاد صاحب کے شاگرد رشید اور دیرینہ رفیق کا، مدیر روزنامہ ہند کلکتہ کے 6 دسمبر 1945ء کا مقالہ اشتہاروں اور ٹریکٹوں کی صورت میں شائع ہوا جس میں قائد اعظم کو یزید سے تشبیہ دی۔ (تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، ص:45)

حسین احمد صاحب مدنی نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا اور قائد اعظم کو "کافر اعظم" کا لقب دیا۔ (مجموعہ خطبات شبیر عثمانی، ص:48)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کی مخالفت جتنی علمائے دیوبند نے کی نہرو، پٹیل، تارا سنگھ اور کھڑک سنگھ بھی نہ کر سکے۔

﴿دیوبندیوں کی پاکستان دشمنی﴾

قرارداد پاکستان کے پاس ہونے کے ساتھ سیاسیات ہند میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا سیاسی کردار کیا تھا؟ کیا ان دونوں حضرات نے ہندوؤں کے مدد بہادران کے پریس کی مدد سے مسلمانوں کو مسلم لیگ سے علیحدہ رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش روا نہیں رکھی؟ کیا مسلم عوام نے قدم قدم پر علمائے دیوبند اور کانگریسی مسلمانوں پر عدم اعتماد کا اظہار نہیں کیا؟! (اقدام ج:13، ص:9)

یہ بات تاریخ کی پیشانی پر بڑے موٹے حروف میں لکھی گئی ہے کہ عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس کے قبیلہ سے تعلق رکھنے والے لوگ پاکستان کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ جن لوگوں نے مسلمان ریاست کے قیام کو روکنے کے لیے ہندو اور انگریزوں کا ساتھ دیا انہیں اخلاق اور قانون کے کسی ضابطہ کی رو سے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم قیام پاکستان سے پہلے کے واقعات پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلے کے لوگوں نے ہندی مسلمان کو تباہ کرنے کی سازش میں ہندو اور انگریز سے بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ بلاشبہ یہ لوگ پاکستان کے غدار ہیں۔ جب ملک تقسیم ہو رہا تھا تو کوئی شخص ان کی صورت تک دیکھنے

کو تیار نہ تھا۔ آزادی اور قیام پاکستان کی جدوجہد میں اس نظر و فکر کے حامل لوگوں نے ہر ممکن طریق سے دس کروڑ ہندی مسلمانوں کی تمناؤں کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور ہندو کے روپیہ نے ان لوگوں کو اپنے ہی بھائیوں کے خلاف صف آرا ہونے کی ترغیب دی۔

جہاں تک قیام پاکستان کا تعلق ہے تردید کے خوف کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ اس ذہن کے لوگوں کا اس معرکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے آزادی سے پہلے کے دور کی تلخ یادیں عوامی ذہن سے محو ہوتی جا رہی ہیں۔ ہندو کانگریس کے لیے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والے کمین گاہوں سے نکل رہے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی سے خود کو آزادی اور اسلام کے پروانوں کی شکل میں پیش کرنے لگے ہیں۔ اگر پاکستان بنانے والا ذہن آج زندہ ہوتا تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے قیام کو روکنے والوں کو عوام ایک لمحہ کے لیے قبول نہ کرتے لیکن یہ ہماری بدبختی کی علامت ہے کہ حصول آزادی کے وقت جو لوگ ہمارے غدار اور دشمنوں کے ایجنٹ تھے وہ بھارت میں فرقہ واریت کی آگ سے بچنے کے لیے پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے تھے اور آج ایک بار پھر عوامی ہیرو بننے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یقیناً یہ قوم کی بے حسی کی انتہا ہے کہ جو لوگ قیام پاکستان کے بعد خاموش ہو گئے تھے وہ میدان خالی پا کر ایک بار پھر مصروف عمل ہیں اور پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش میں ہیں۔

ہمارے اس سوال کا جواب آخر کیا ہے کہ اگر عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمن، مولوی حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد ہمارے ہیرو ہیں تو پھر ہماری قوم کی زندگی میں ان لوگوں کا کیا مقام ہے جنہوں نے قیام پاکستان کی جنگ میں جانیں دیں؟ ہم یہ سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ جو لوگ آج عطاء اللہ شاہ بخاری، حسین احمد مدنی اور ابو الکلام آزاد کو ہیرو کے طور پر پیش کر رہے ہیں وہ اصل میں پاکستان بنانے والوں کی قربانیوں پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔

اگر عطاء اللہ شاہ بخاری اور ہندو اشاروں پر ناچنے والے ان کے بعض (دیوبندی) ساتھیوں نے پاکستان میں پناہ لی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ یہ لوگ ہماری جدوجہد آزادی کے ہیرو بن گئے۔ جس طرح ہم سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کو اپنی جدوجہد آزادی کا ہیرو قرار نہیں دے سکتے۔ ہم یہ کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخری دم تک قیام پاکستان کی مخالفت کی۔

پاکستان میں اپنی کمین گاہوں میں چھپے ہوئے ہندو کانگریس کے ایجنٹ ہزار اسلام کا سہارا لیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے حصول آزادی سے پہلے قیام پاکستان کی حمایت میں ایک لفظ کہا۔ ہم پوری دیانتداری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ بعض خود غرض اور شکست خوردہ لوگ پاکستانی عوام کو گمراہ کرنے کی ناپاک سازش میں مصروف ہیں۔ قائدین حکومت اور

عوام کے باشعور طبقہ کو آگے آنا چاہیے اور غیر مبہم الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ پاکستان میں غداروں اور دشمن کے ایجنٹوں کو کسی قیمت پر ہیرو نہیں بننے دیا جائے گا اور یقیناً یہ ہماری قومی غیرت کا سوال ہے۔ (اقتباسات ادارہ ہلال پاکستان' 23 اگست 1963ء)

اس سے کئی گنا زائد حوالہ جات اور تحقیقات کے اوراق پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن اختصار کے پیش نظر ان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ انصاف پسند لوگ نہایت ٹھنڈے دل سے غور فرما کر صحیح نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

ایک غلطی کا ازالہ:

● بعض مواقع پر اہلسنت کے بعض مفتیوں نے مسلم لیگ کے بعض کارکنوں پر کوئی فتویٰ لگایا تو وہ ایک مذہبی کی وجہ سے تھا' نہ کہ قیام پاکستان کی مخالفت کی بناء پر۔ چنانچہ ان وجوہ میں سے ایک وجہ ذیل کے اشعار بھی تھے کہ جب بعض مسلم لیگیوں نے "جناح صاحب" کے متعلق یہاں تک غلو کیا کہ

اے محمد (ﷺ) اور علی کی چلتی پھرتی یادگار — تیرے رخ سے ہے تو شبیر شبر (رضی اللہ عنہما) آشکار

تیرے پیکر خالد و طارق (رضی اللہ عنہم) کا زندہ شاہکار — تو سیاست کا نبی قانون کا پروردگار

جادۂ آزادئ اسلام کا خضر اعظم — تیرے ہاتھوں میں ہے قندیل صراط مستقیم

(نظم: اسرار آبادی' مسلم لیگی اخبار "انقلاب" بمبئی' 11 ستمبر 1945ء)

● اور حسرت صاحب نے یہ لکھ مارا کہ

بجھایا ہے مسلمانان ہندی کو بھلا کس نے — بتایا ہے مسلمان کو سیاست کا خدا کس نے

(مسلم لیگی اخبار "ہندوستان" 4 جنوری 1946ء)

محمد علی جناح صاحب کو خدا' نبی' خضر عظیم کہنے پر بعض لوگوں کو متنبہ کرنے اور دلائل سے منوانے کا نام "پاکستان دشمنی" ہے تو پھر دین کا خدا حافظ ہے۔

☆ علم دین حاصل کرنے والے طالب علموں اور گوشہ نشین غریب علماء کو زکوٰۃ کا مال دینا افضل ہے کہ اس میں فرض زکوٰۃ کی ادائیگی بھی ہو جائے گی اور علم دین کی اعانت کا ثواب بھی ملے گا۔

(در مختار)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

قائداعظم محمد علی جناح کی انتھک جدوجہد اور دوسرے بہت سے علماء، دانشوروں، سیاست دانوں اور کارکنوں کی قربانیوں نے یہ دن دکھایا کہ بحمد اللہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان وجود میں آگیا۔ پاکستان کے ہر صوبے کی حالت میں انقلاب آیا اور پہلے جیسے حالات نہ رہے۔ ہر صوبے نے ترقی کی طرف قدم بڑھایا۔ تعلیم کے میدان میں، تجارت کے میدان میں، صنعت و حرفت کے میدان میں، حرب و ضرب کے میدان میں کیونکہ اب مدمقابل وہ طاقت نہ رہی تھی جس نے مسلمانوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے ماضی و حال کا تقابل کرنا چاہئے۔ ماضی کے حالات خود معلوم نہ ہوں تو اپنے بزرگوں سے پوچھنے چاہئیں اور بزرگوں کو بغیر کسی تعصب و تنگ دلی کے حق گوئی کرنی چاہئے۔ حقائق کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل ایک صدی میں وہ ترقی نہ ہوئی جو ۳۵ سال میں ہو چکی ہے۔ پاکستان نہ بنتا تو ہم اسی طرح پستے رہتے جس طرح ایک صدی تک پستے رہے۔ کیا وجہ ہے کہ ایک صدی تک یہ حال رہا کہ پاکستان کی سرزمین پر مسلمانوں میں گنے چنے لوگ تاجر، پروفیسر، انجینئر، ڈاکٹر اور زمیندار تھے۔ حد تو یہ ہے کہ طالب علم بھی آبادی کے لحاظ سے برائے نام تھے۔ اب ہزاروں کی تعداد میں تاجر بھی ہیں، پروفیسر بھی ہیں، انجینئر بھی ہیں، زمیندار بھی ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں طالب علم بھی ہیں۔ حالات بدل گئے، ایک انقلاب آیا جو سب کے سامنے ہے۔ اس کی قدر اس وقت ہوگی جب آپ اپنے ماضی کو جھانک کر دیکھیں گے۔ پاکستان اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے۔ اس کی قدر کریں، اس کو اپنے خون سے سینچیں اور جہاں تک بھی ہو اس کو باغ و بہار بنائیں۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

مگر دشمن کی کوشش یہ ہے کہ پاکستان کمزور ہو تاکہ دنیا دشمن کی قوت کا لوہا مانے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ پاکستان کی قوت و کمزوری کا ہندوستان پر اثر ہوتا ہے۔ جب پاکستان قوی ہوتا تو ہندوستان کا لب و لہجہ مصالحانہ بلکہ خوشامدانہ ہو جا

تا ہے اور جب کمزور ہوتا ہے تو اس کا انداز غیر مصالحانہ اور جارحانہ ہو جاتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں جو حالات گزرے ہم میں سے بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ اس وقت ہندوستان کی یہ کیفیت تھی کہ گویا اُن کا ہر فرمان ہمارے لیے واجب الاذعان ہے۔ زمین ہماری اور حکم ان کا چلنے لگا۔ بالآخر وہ روزِ سیاہ بھی آیا کہ سرزمین پاک پر اُن کی فوجیں دندنانے لگیں اور پھر زمین کا وہ قطعہ ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔ ہمیں ہمیشہ ایسے حریف سے ہوشیار رہنا چاہیے جو موقع کی تاک میں بیٹھا ہو اور موقع پر کام کر گزرنے کا عادی ہو۔

ہندوستان کی جفاشعاریوں اور پاکستانیوں کی وفاشعاریوں کی داستان طویل ہے۔ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے جب پاکستان وجود میں آیا تو اس کو اپنے پیروں پر کھڑے ہونے نہ دیا اور کشت و خون کا بازار گرم کر کے مہاجرین کا ایک سیلاب بھیج دیا گیا۔ ضلع گورداسپور پنجاب، پاکستان کو مل چکا تھا اور اس سے ریاست جموں و کشمیر پر پاکستان کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔ اندرونِ خانہ چالیں چل کر تقسیم کے منظور شدہ منصوبے میں بروقت ترمیم کر کے ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو گورنر جنرل ہند "لارڈ ماؤنٹ بیٹن" سے اعلان کرا دیا گیا کہ ضلع گورداسپور پاکستان سے چھین کر ہندوستان کو دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں دو روز سے پاکستانی پرچم لہرا رہا تھا۔ اس طرح دغا کر کے ہندوستان نے ریاست جموں و کشمیر پر اپنی گرفت مضبوط کی اور مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ طے یہ ہوا تھا کہ آزادی ملنے کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی جو ریاست جس حکومت میں شامل ہو وہ مختار ہے خواہ پاکستان میں شامل ہو یا ہندوستان میں یا خود مختار آزاد رہے۔ لیکن کیا ہوا؟؟

دوسرے ہی سال مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن جو دنیا کے مسلمانوں کا سہارا تھی ایک فوجی حملے کے ذریعے قبضہ میں کر لی گئی اور ہزاروں مسلمان مجاہدین کو ٹینکوں تلے بے دردی سے روند دیا گیا اور مسلمانوں کی عظمت کا نشان مٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ۱۹۴۸ء میں پاکستانی قوم کو قائداعظم کی موت نے دم بخود کر دیا تھا اور وہ غم سے نڈھال کفن و دفن کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اسی طرح دوسری مسلمان ریاستوں پر بھی یکے بعد دیگرے قبضہ کر لیا گیا لیکن پاکستان نے ہر موقع پر ہندوستان کے ساتھ نیکی کی۔ سب سے نازک موقع وہ تھا جب چین نے ہندوستان پر بھرپور حملہ کیا۔ کشمیر پر قبضہ کرنے کا وہ بہترین موقع تھا لیکن ہندوستانی سفیر نے صدر محمد ایوب خاں سے مل کر یہ یقین دہانی چاہی کہ پاکستان ہندوستان پر حملہ تو نہیں کرے گا تو صدر نے نیک دلی کے ساتھ یہ یقین دلایا کہ پاکستان کی سرحدوں سے ہندوستان پر کسی قسم کا حملہ نہیں ہوگا۔

صدر محمد ایوب خاں وہی صدر ہیں جنھوں نے مشرقی پاکستان میں ہندوستانی افواج کی خفیہ پیش قدمی کے وقت ان

کے جرنیل کو گرفتار کیا تھا۔ بعد میں اس جرنل کو چھوڑ دیا گیا اور پھر یہی جرنل ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پنجاب کے محاذ پر پاکستان کے خلاف ہندوستانی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ تاریخ نے ایسے عجائب کم ہی دیکھے ہوں گے۔ یہ سارے حقائق ہم کو اپنے سامنے رکھنے چاہئیں اور کسی کے کہنے پر چل کر خود کو دوراپنے پیارے وطن کو برباد نہیں کرنا چاہیے۔

قیام پاکستان کے بعد کوتاہیاں:

پاکستان بننے کے بعد کچھ کوتاہیاں ہم سے ضرور ہوئیں جن کا تدارک ضروری ہے۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں سے چند ایک کا ذکر کرتا ہوں۔

● تحریک پاکستان کے زمانے میں جب کانگریس قائدین یہ کہا کرتے تھے کہ قومیت کی بنیاد مذہب نہیں وطن ہے تو ہم کہا کرتے تھے کہ نہیں مسلم قوم کی تشکیل دین ومذہب سے ہوتی ہے' جغرافیائی حدود سے نہیں۔ اس لیے ہم "ہندوستانی" نہیں "مسلم" ہیں صرف "مسلم"۔

؎ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

مگر جب پاکستان بن گیا تو نہ معلوم کیوں قومیت کے خانے میں "پاکستانی" لکھا جانے لگا حالانکہ "وطنیت" کے خانے میں "پاکستانی" لکھا جاتا اور "قومیت" کے خانے میں "مسلم" لکھا جاتا۔ بہرحال جب لامحدودیت کا دعویٰ کرنے والا محدود ہو گیا تو مختلف مسائل پیدا ہونے لگے۔ بات ملک سے نکل کر صوبوں تک جا پہنچی اور صوبوں سے وابستگی پر اصرار کیا جانے لگا اور اس پر اعتراض ہونے لگا کہ ہندوستان سے ترک وطن کر کے آنے والوں کو "مہاجر" نہ کہو اور یہاں کے خوش آمدید کہنے والوں کو "انصار" نہ کہو۔

حالانکہ یہ وہ پیارے الفاظ ہیں جس کو پہلی صدی ہجری میں امام الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما کر جاوداں بنا دیا اور مہاجر وانصار کو آپس میں کس طرح ملا دیا کہ دو سگے بھائی بھی کیا ملتے ہوں گے۔ حقیقت میں "مہاجر" اور "انصار" دو تاریخی اصطلاحیں ہیں۔ جب کسی کو "مہاجر" کہا جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنا حق جتانے لگے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا تعلق ان خوش بختوں سے ہے جنہوں نے پاکستان کے لیے جان ومال کی قربانیاں دیں اور جب "انصار" کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق ان سعادت مندوں سے ہے جنہوں نے مہاجرین کو خوش آمدید کہا۔ مصیبت میں ان کا ساتھ دیا اور ہر طرح سے ان کی خدمت کی۔ ایثار وقربانی اور احسان واخلاص ایسی چیزیں نہیں جن کو بھلا دیا جائے' یہ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تو عرض یہ کرنا چاہتا تھا کہ ہم نے مسلم قومیت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنی قومیت کو جغرافیائی حدود سے منسلک کر لیا۔ حالانکہ پردۂ غیب سے تو یہ آواز آ رہی تھی۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بے کراں ہو جا

● اسلامی نظریاتی حکومت میں دوسری اہم چیز یہ تھی کہ ہم عدل علم اور علاج کو بلا قیمت فراہم کرتے۔ عدل سے فرد کی روحانی صحت برقرار رہتی ہے علم سے دماغی صحت اور علاج سے جسمانی صحت۔ جب تک افراد ان تینوں اعتبار سے تومند اور صحت مند نہ ہوں ایک مستحکم اور فعال معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام توانائیاں اور ذرائع دیانتداری اور دردمندی کے ساتھ بقائے صحت کے لیے استعمال کیے جائیں، باتیں کم کی جائیں اور کام زیادہ۔

میں یہاں صرف علم کی بات کروں گا۔ قومی مزاج کی تعمیر میں "نصاب" بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ نظریاتی حکومت میں اس سے زیادہ اہم اور نازک چیز کوئی نہیں لیکن برسوں اس سے غفلت برتی گئی اور ایسا نصاب فراہم نہیں کیا گیا جو مسلمانوں کو مسلمان نہ بنائے تو کم از کم پاکستانی ہی بنادے۔ لیکن اب کچھ کوششیں کی جارہی ہیں مگر انقلابی کوششوں کی ضرورت ہے جس سے پورے نصاب کا مزاج بدل جائے اور وہ فکر ونظر کی صحیح سمت میں افراد کی پرورش کرسکے۔ نصاب کے ساتھ ساتھ استاد کی بھی یاد آتی ہے۔ اسلامی حکومت میں استاد کا باوقار ہونا لازمی ہے۔ آج کل انسان عزت کے لیے جیتا ہے یا دولت کے لیے، یہ چیزیں میسر نہ آئیں تو وہ مایوسی کا شکار ہوکر خود برباد ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی برباد کرتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں استاد کی اتنی عزت نہیں جتنی عزت ہونی چاہیئے۔ نظریاتی ملکوں میں استاد معاشرے کا اہم ترین اور محترم ترین فرد ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں صورت حال مختلف ہے۔ استاد اپنی عزت کے لیے گریڈوں کا سہارا لیتا ہے اور پھر جہاں جاتا ہے اس کو وہ عزت نہیں ملتی جو ملنی چاہیئے۔ جس طرح والدین جسم کے مربی ہیں اسی طرح استاد دل ودماغ کا مربی ہے۔ یہ والدین سے زیادہ قدر ومنزلت کے لائق ہے۔ ہر پڑھا لکھا کسی نہ کسی استاد کا شاگرد ہوتا ہے تو یہ بات دل میں ہونی چاہیئے کہ یہ استاد ہی ہے جس کی تعلیم نے اس مرتبے پر پہنچایا۔ جس طرح والدین کی تربیت نے اس کو پروان چڑھایا، پھر کوئی ایسا شریف انسان نہ دیکھا جو والدین کی عزت وتکریم سے کتراتا ہو تو پھر ہم کیوں ایسے خود فراموش ہو جائیں کہ استادوں سے ان باتوں کی توقع رکھیں جو اپنے ماتحتوں اور ملازموں سے رکھتے ہیں۔ ان کو عزت دینا ہمارا دینی و ملی فریضہ ہے۔ یہ خود ہمارے لیے باعث سعادت ہے اور معاشرے کے لیے ایک نیک فال۔ استاد کسی معمولی ہستی کا نام نہیں۔ یہ وہ ہے حضور ﷺ کے صحابیوں نے جس کو سواریوں پر بٹھایا اور خود پیدل چلے۔ یہ وہ ہے خلیفہ ہارون الرشید نے جن کے ہاتھ دھلائے۔ یہ وہ ہے خلیفہ مامون الرشید اور امین الرشید نے جن کی جوتیاں اٹھائیں۔ یہ وہ ہے جہانگیر بادشاہ نے جن کی جوتیاں سیدھی کیں۔ ہاں معاشرے کی بڑی محترم ہستی کا نام استاد ہے۔ وہ عظمتوں کا معمار اور رفعتوں کا شاہکار ہے۔

ہمارے معاشرے میں استاد کو جو عزت ملتی ہے اس کا حال تو آپ نے پڑھا۔ اس کی دولت کا حال یہ ہے کہ جو کچھ اس کو ماہانہ ملتا ہے، اگر کاغذ کے روپیوں کی بجائے سونے کی اشرفیوں میں ملتا تو پچیس سال گزر جانے اور ترقیوں کے مختلف مراحل طے کرنے کے باوجود ہوش ربا گرانی کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اسی جگہ یا اس سے پیچھے پاتا جہاں ۲۵ سال پہلے تھا۔ حالانکہ اس طویل عرصے میں اس کی ذمہ داریاں دس گنا ہو چکی ہیں۔ آمدنی کا دوسرا ذریعہ بورڈ اور یونیورسٹی کے امتحانات ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ امتحان لینے اور کاپیاں جانچنے کا معاوضہ اتنا کم رکھا گیا ہے کہ مٹی کی ٹوکری ڈھونے والا مزدور ۶ گھنٹے محنت کر کے جتنا کما لیتا ہے یہ اس سے آدھا بھی نہیں پاتا۔ پھر لطف یہ کہ یہ رقم بھی فوراً نہیں ملتی بعض اوقات مہینوں لگ جاتے ہیں۔ خیر ذکر تھا اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کا اور پاکستان کے وجود میں آنے کا۔ بہر کیف ہم کو اپنی کوتاہیوں کے ساتھ ساتھ پاکستان کے دشمن کے عزائم پر نظر رکھنی چاہیے اور اپنی سادہ لوحی سے کسی کی چال میں نہیں آنا چاہیے۔

● ہماری صفوں میں دشمن کے آدمی کام کر رہے ہیں جو طرح طرح سے ہمارے دل کو میلا کرتے ہیں۔ ہم کو ایک دوسرے سے نفرت سکھاتے ہیں اور اپنا کام بناتے ہیں۔ پس منظر میں رہتے ہیں، سامنے نہیں آتے۔ اس نفرت سے وہ اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور استعمال ہم کو کرتے ہیں۔ جب حالت بگڑ جاتی ہے تو کھل کر سامنے آ جاتے ہیں۔ مشرقی پاکستان کا حادثہ ہمارے سامنے ہے۔ تاریخ کے حادثات سے سبق ہمیں حاصل کرنا چاہیے اور وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو تاریخ کو فراموش نہیں کرتیں۔ ہم کو بھی اپنے ماضی سے آگاہ رہنا چاہیے تاکہ مستقبل کی تعمیر ممکن ہو۔ دشمن کئی محاذوں پر جنگ کرتا ہے اور دور جدید میں سب سے اہم محاذ "فکری محاذ" ہے یعنی دشمن اپنے دشمن یا فریق مخالف کی رعایا کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اس کی قوم اور ملک پر قبضہ جماتا یا دوسرے دشمنوں کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ غور کریں ہم وہی ہیں جن کے اسلاف اسلام پر مرتے تھے، ہم وہی ہیں جن کے اکابر نے اپنی قوت ایمانی سے ایک ملک پاکستان بنایا، اس کو آباد کیا اور اپنے خون جگر سے اس کو سینچا۔ پھر اچانک کیا ہو گیا کہ ہم میں ایسے لوگ پیدا ہونے لگے جو اسلام کے شیدائی نہیں؟ جو اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیرنے کے لیے آمادہ نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ باتیں انہوں نے اپنے بزرگوں سے نہیں سیکھیں بلکہ ملک و دین کے بدخواہوں نے ان کو یہ باتیں سکھائی ہیں۔ اب ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

سب کو معلوم ہے کہ پاکستان نظریاتی ملک ہے۔ اس کا قیام اسلام سے سچی محبت اور اپنے ان اکابر کے کارناموں کو یاد رکھنے میں ہے جنہوں نے اس کو بنایا۔ یہی اس ملک کی بنیادیں ہیں۔ عمارت کو ڈھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا جائے تو سوچنے کی بات یہ ہے جو ہمارے ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کرے وہ ہمارا دوست ہے یا دشمن؟

اس کا جواب ہر عقل والا دے سکتا ہے۔ دشمن اپنی مقصد برآوری کے لیے کئی حربے استعمال کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم حربہ یہ ہے کہ پاکستان کے نظریہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں اور معمار پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ کچھ دوستوں نے تو یہاں تک کہا کہ "پاکستان بنا کر ہم کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔ نہ پاکستان بنتا نہ یہ آپس کے لڑائی جھگڑے ہوتے"۔ اس کا جواب تو یہی ہو سکتا ہے کہ ایک باپ نے اپنی اولاد کے لیے باغ لگایا پھر وہ اولاد باغ کے پھلوں کی تقسیم پر آپس میں لڑنے لگی۔ اب کہنے والا یہ تو نہیں کہتا کہ شکر کرو کہ یہ باغ تم کو ملا یہ پھل تم کو ملے اس باغ کی حفاظت کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ باپ نے برا کام کیا اگر وہ یہ باغ چھوڑ کر نہ جاتا تو اولاد کیوں یوں لڑتی؟ میرے خیال میں کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا۔ اصل میں قوم میں مایوسی اور احساس محرومی پھیلا کر دشمن اپنے مفادات کی تکمیل چاہتا ہے۔

میرے نزدیک قائد اعظم کی عظمت اس میں ہے کہ انہوں نے ہندوستانیوں کے بڑے سیاسی لیڈر گاندھی کو شکست دی۔ متحدہ ہندوستان کے ان کے منصوبے کو خاک میں ملایا اور صفحہ عالم پر پاکستان کو نمودار کیا۔ اب مسٹر گاندھی کی عظمت کی جتنی باتیں کی جائیں قائد اعظم خود بخود عظیم ہوتے جائیں گے۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ دشمن نظریہ پاکستان کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح قائد اعظم محمد علی جناح سے قوم کو بدظن کر کے اپنے عزائم کی تکمیل چاہتا ہے۔

● اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے دشمن ایک اور کام یہ کرتا ہے وہ معاشرے کے ایسے طبقہ کو تاکتا ہے جو جلد از جلد اس کے مقاصد کی تکمیل کرے۔ اس سلسلے میں اس کی نظر "طلبہ" پر رہتی ہے مگر اکثر طلبہ اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں۔ وہ بہت معصوم ہوتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی اور ناسمجھی کی وجہ سے ایسے کام کر جاتے ہیں جس سے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط ہوتے ہیں مگر سیاست میں سوجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مطلب برآری کے لیے طلبہ کا انتخاب کیوں کیا جاتا ہے؟ اس کی متعدد ذیل وجوہات ہیں۔

● پہلی بات تو یہ کہ بالعموم طلبہ ملازم نہیں ہوتے فارغ التحصیل رہتے ہیں۔

● دوسری بات یہ کہ ان پر کوئی گھریلو ذمہ داری نہیں ہوتی۔

● تیسری بات یہ کہ بالعموم ان کو کمانے کی پرواہ تو ہوتی نہیں، کھانے کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ گھر جا کر پکا پکایا مل جاتا ہے یا ہاسٹل میں کھا پی لیتے ہیں۔

● چوتھی بات یہ ہے کہ وہ عمر کی اس منزل میں ہوتے ہیں جہاں جذبات غالب ہوتے ہیں اور فکر مغلوب۔ اس لیے ان کے جذبات کو جدھر بہایا جاتا ہے آسانی سے بہہ جاتے ہیں۔

● پانچویں بات یہ ہے کہ اس کو اتنا علم نہیں ہوتا جس سے انسان کھرے کھوٹے میں فرق کرتا ہے، اس کے مزاج میں پختگی

پیدا ہوتی ہے ورا پنے قول وعمل کا ذمہ دار بنتا ہے۔

● چھٹی بات یہ کہ طلبہ پر بالعموم منسد الدین کا پورا قابو ہوتا ہے بنا ساتذہ کا اس لیے جو چاہے آسانی سے اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔

● ساتویں بات یہ ہے کہ ان کی اپنی ایک برادری ہوتی ہے ان پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

● آٹھویں بات یہ کہ نظریاتی ملکوں میں نظریات کو بنانے اور بگاڑنے میں طلبہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

دشمن یہ ساری باتیں ذہن میں رکھ کر قدم آگے بڑھاتا ہے اور معصوم طلبہ کو اپنے دامِ فریب میں گرفتار کرتا ہے۔ یہ مسئلہ قوت ستعمال کرنے سے زیادہ سمجھانے سے حل ہوسکتا ہے کیونکہ بالعموم طلبہ لاعلم ہوتے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے نتائج کیا برآمد ہوں گے سوانجام سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے وہ قابلِ رحم ہیں۔ میرے نزدیک وہ ایک ایسے نرم ونازک پودے کی مثل ہیں جس طرف اس کو ٹیڑھا کیا جائے ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ ہم ان کو اپنا حریف سمجھ کر متقابلے شروع کر دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے حریف نہیں ہمارے بچے ہیں۔ ہماری عافیت اور نجات اسی میں ہے کہ ہمیں جو خطہ زمین "پاکستان" ملا ہے دل وجان سے اس کی پاسداری کریں، اور اس کی ترقی واستحکام کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ اپنے بھائیوں کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کریں اور کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ ہر طرف عدل وانصاف کا بول بالا ہو۔ ہمارے اسلاف نے جس وطن کے لیے جدوجہد کی اور جس وطن کے لیے ہمارے ہزاروں بھائیوں نے اپنا خون بہایا، گھربار لٹایا اس کو ضائع نہ کریں۔

☆ زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ ضروری ہے کہ جسے دیں اُس کو مالک بنادیں۔ اس لیے اگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر غریبوں کو بطورِ دعوت کے کھلا دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ اباحت ہوئی تملیک نہ ہوئی۔ ہاں! اگر کھانا پکا کر کھانا غریبوں کو دے دے اور اُن کو اِس کھانے کا مالک بنادے کہ وہ چاہیں اُسے کھائیں یا کسی دُوسرے کو دے دیں یا بیچ ڈالیں تو زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ اس میں تملیک (مالک بنادینا) پائی گئی۔ ﴿درمختار وردالمحتار﴾

رمضان المبارک کے دوران کراچی کے 9 علاقوں میں قادیانیوں نے سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔ کئی قادیانی مراکز میں سحری' افطار اور مہینے بھر کا راشن مفت فراہم کرنے کے نام پر سادہ لوح افراد کو اکٹھا کر کے انہیں قادیانیت کی جانب راغب کیا جارہا ہے۔ جبکہ بعض علاقوں میں عید گفٹ کے نام پر کپڑوں کے جوڑوں کے ساتھ قادیانی لٹریچر بھی تقسیم کیا جارہا ہے۔

قادیانی تبلیغی اداروں کو مرزا مسرور احمد کی جانب سے ہدایات ملی ہیں کہ وہ رمضان المبارک میں پاکستان میں اپنی سرگرمیاں تیز کردیں کیونکہ رمضان المبارک میں قادیانی مبلغین کے مطابق مسلمانوں کو اپنی جانب راغب کیا جانا زیادہ آسان ہے۔ مرزا مسرور احمد کی تازہ ہدایت ملنے کے بعد قادیانی ارتدادی اداروں نے ملک بھر میں اپنی سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ رمضان المبارک میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے کروڑوں روپے تقسیم کیے گئے ہیں۔ صرف کراچی میں قادیانیت کی تبلیغ کے لیے 5 کروڑ روپے کی رقم دی گئی ہے۔ رمضان المبارک میں قادیانیوں نے 9 علاقوں میں تبلیغی سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔ جن علاقوں میں قادیانیت کی سرگرمیاں عروج پر ہیں ان میں محمود آباد' شاہ فیصل کالونی' بھینس کالونی' گلشن حدید' صدر' نیو کراچی' سوا چہ گوٹھ' کورنگی اور گلشن اقبال شامل ہیں۔

قادیانیوں کی جانب سے محمود آباد کی لیاقت اشرف کالونی میں مفت راشن کے ایک پیکٹ میں 10 کلو آٹا' 2 کلو چاول' ایک کلو چینی' ایک کلو گھی' ایک پاؤ چائے کی پتی' چنے کی دال آدھا کلو' مسور کی دال آدھا کلو شامل تھی اور ساتھ ہی ایک خاکی رنگ کا لفافہ بھی تھا جس میں چار کتابچے شامل تھے جن میں ایک کتابچہ "شان صحابہ رسول حضرت بانی جماعت احمدیہ کے لفظ میں" کے عنوان سے' دوسرا کتابچہ "حضرت بانی جماعت احمدیہ کا عشق رسول" تیسرا کتابچہ "لا نبی بعدی اور بزرگان امت" جبکہ چوتھا کتابچہ "جماعت احمدیہ کے عقائد" کے عنوان سے تھا۔

محمود آباد میں جن لوگوں کو مفت راشن بانٹا گیا ہے ان کے نام' پتے' شناختی کارڈ نمبر اور فون نمبر یہ کہہ کر لئے گئے ہیں کہ وہ ہر ماہ راشن تقسیم کرتے ہیں اس لئے آپ سے رابطہ کرلیا کریں گے۔

قادیانیوں کا راشن تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ ایک سوزوکی میں آتے ہیں اور راشن تقسیم کر کے چلے جاتے

ہیں۔ علاقے کے ایک رہائشی نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ محمود آباد کے مختلف علاقوں میں قادیانی تبلیغی ادارے مفت راشن تقسیم کر رہے ہیں جبکہ جمعہ کے روز ان مفت راشن وصول کرنے والوں کو فون کر کے بھی ارتدادخانوں میں بلایا جاتا ہے جہاں انہیں قادیانیت کے درس میں بٹھایا جاتا ہے۔

گلشن حدید میں جو مفت راشن تقسیم کیا گیا ہے ان کی پیکٹوں میں 5 کتابچے تھے۔ ایک کتابچہ "حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی پاکیزگی" دوسرا "اپنے آقا و مطاع محمد مصطفیٰ" تیسرا "امام مہدی کی صداقت کے دو نشان چاند سورج گرہن" چوتھا "سو سالہ جھگڑے کا آسان فیصلہ" اور پانچواں کتابچہ "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں"؟ کے عنوان سے تھا۔

محمود آباد نمبر 6، لیاقت اشرف کالونی کی گلی نمبر 5 میں واقع قادیانیوں کے ارتدادخانے میں تبلیغی سرگرمیوں کے حوالے سے لوگوں سے ملاقات کی تو ان کا کہنا تھا کہ علاقے میں قادیانیوں کی تبلیغ کے حوالے سے اشتعال پایا جاتا ہے۔ اس عبادت گاہ کے سامنے اور عقب کی دونوں گلیوں میں بڑی تعداد میں قادیانی رہائش پذیر ہیں اور مغرب کی اذان سے قبل یہاں نوجوان گھومتے نظر آتے ہیں جو غریب افراد، راہ گیروں، ٹیکسی ڈرائیوروں، ٹھیلے والوں اور کاغذ چننے والوں کو افطار کے بہانے اپنی اپنی ارتدادخانے میں لے جاتے ہیں اور یہاں پر انہیں قادیانیت کا ارتدادی درس دیا جاتا ہے۔ جمعہ کو یہاں بڑی مجلس ہوتی ہے جس میں خواتین زیادہ شریک ہوتی ہیں اور واپس جاتے ہوئے گلیوں کے گھروں میں تبلیغ کرتی ہیں جبکہ جمعہ کے روز دوسرے علاقوں سے مختلف افراد کو بھی تبلیغ کے لئے دیا جاتا ہے اور بعض اوقات غریب افراد یہاں سے راشن لے کر جاتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

مذکورہ ارتدادخانہ کے ذمہ دار منور احمد سے اس حوالے سے پوچھا تو اُن کا کہنا تھا کہ یہاں پر تمام نمازیں جبکہ جمعہ کو بڑی نماز ہوتی ہے۔ کوئی خوشی سے آجائے تو وہ منع نہیں کرتے ہیں جبکہ افطاری یا درس سننے کے لیے بھی بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ منظور کالونی عید گاہ چوک سیکٹر ایف میں فضل عمر میموریل ڈسپنسری میں بھی علاج کے لئے آنے والے غریب افراد کو قادیانیت کی تبلیغ بھی کی جاتی ہے۔ مذکورہ ڈسپنسری میں 10 روپے کی پرچی بنائی جاتی ہے اور یہاں پر زیادہ تر قریبی علاقے کے غریب افراد علاج کے لئے آتے ہیں۔

یہاں پر مچھر کالونی، ابراہیم حیدری اور دیگر چھوٹی چھوٹی بستیوں کے رہائشی افراد کو جب علاج کی غرض سے لایا جاتا ہے تو ان کو بعض اوقات قادیانیت کا درس بھی دیا جاتا ہے اور بعد میں تبلیغ کے لئے وقفے وقفے سے بلوایا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے مریض بھی آتے ہیں جن کو کینسر، ٹی بی اور دیگر ایسے امراض لاحق ہوتے ہیں جن کا علاج کرانا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا تو فضل عمر میموریل ڈسپنسری میں ایسے افراد سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان کا علاج کرائیں گے اور پھر ان کو قادیانیت کی

دعوت دی جاتی ہے۔

منظور کالونی میں چند قادیانی افراد ایسے بے روزگار اور پریشان حال افراد کو تلاش کرتے ہیں اور ان کو بیرون ملک بھجوانے، شادی کرانے اور دیگر مسئلے حل کروانے کا جھانسہ دے کر تبلیغ کرتے ہیں۔ مذکورہ علاقے سے اکبر نامی نوجوان کو تھوڑے عرصے قبل تک مقامی ڈسپنسری آتے جاتے دیکھا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جرمنی چلا گیا ہے اور قادیانی ہوگیا ہے۔

ماہ رمضان میں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کے حوالے سے صدر میں واقع قادیانی ارتدادخانہ کافی سرگرم ہے یہاں پر افطار سے قبل راہ گیروں کو لایا جاتا ہے۔ پریڈی کے علاقے میگزین روڈ پر واقع قادیانیوں کے ارتدادخانے کے بارے میں علاقے کے چوکیدار 65 سالہ سعید خان نے بتایا کہ جمعہ کے روز یہاں پر بڑا پروگرام ہوتا ہے۔ یہاں کاروں میں خواتین زیادہ آتی ہیں جبکہ ماہ رمضان میں دوپہر کے وقت جو نماز ہوتی ہے اس میں بھی بہت لوگ یہاں آتے ہیں۔ دوسرے چوکیدار اکمل کا کہنا تھا کہ آج کل شام کے وقت زیادہ پروگرام ہوتے ہیں اس لئے گیٹ بند کر دیے جاتے ہیں۔ قریب کے دکاندار شفیق کا کہنا تھا کہ اس عبادت گاہ میں تبلیغی سرگرمیاں اس لئے زیادہ ہیں کہ اس کے اطراف رہائشی مکانات کم ہیں۔ زیادہ تر دکانیں ہیں، شام کو وہ بند ہو جاتی ہیں تو کچھ لوگ عبادت گاہ کے دونوں اطراف کی سڑک پر گاڑیاں کھڑی کر کے اسے بند کر دیتے ہیں اور اس دوران اندر تبلیغ اور درس جاری رہتا ہے۔

شاہ فیصل ٹاؤن میں قادیانیوں کے دو ارتدادی مراکز زیادہ سرگرم ہیں۔ شاہ فیصل کالونی نمبر 3 گرین ٹاؤن میں قادیانی افراد کی بڑی تعداد رہائش پذیر ہے۔ یہاں گھروں میں درس کا انتظام بھی کیا جاتا ہے اور افطاری سے قبل چند افراد چھوٹے دکانداروں، منی بس ڈرائیوروں، کنڈیکٹروں، ٹھیلے والے افراد کو افطاری کے بہانے گھیر کر لاتے ہیں۔

مین نالے کے قریب شام کے اوقات میں نصیر احمد اور خادم نامی نوجوان قادیانیت کی تبلیغ کے لئے لوگوں کو افطاری کرانے اور پریشان حال افراد کو مفت راشن دینے کے بہانے قادیانی ارتدادی مرکز مرکز لے جاتے ہیں جبکہ ڈرگ روڈ کینٹ بازار میں واقع قادیانیوں کے ارتدادخانہ اور اس سے متصل فضل عمر میموریل ڈسپنسری مرکز بنی ہوئی ہے جبکہ اس کے ساتھ گیسٹ ہاؤس بھی ہے۔ جس کی چھت پر بڑا ڈش انٹینا لگا ہے، جس کے ذریعے mta نامی چینل سے ارتدادی درس بھی سنایا جاتا ہے۔ اس علاقے میں ماہ رمضان کے دوران قادیانیوں کی سرگرمیاں کافی بڑھ چکی ہیں اور شام کے اوقات میں عبادت گاہ میں آنے والے قادیانی کینٹ بازار، اقبال آباد، الحمد سوسائٹی، ناتھا خان گوٹھ میں پھیل جاتے ہیں اور راہ گیروں، ٹھیلے اور رکشہ اور ٹیکسی والوں سے کہتے ہیں کہ ان کے ہاں افطاری کا انتظام ہے۔ ان افراد میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ افطاری کے بعد ان افراد کو روک لیا جاتا ہے کہ یہاں پر درس اور تبلیغ کا بندوبست بھی ہے۔

قادیانیوں کی سرگرمیوں کے بڑھنے کے حوالے سے علاقے کے رہائشیوں میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ مذکورہ ارتدادخانہ کے اندر قریبی علاقوں شاہ فیصل کالونی، ڈرگ روڈ، گولڈن ٹاؤن، الفلاح اور دیگر علاقوں سے قادیانیت کی تبلیغ کے لئے لوگوں کو لایا جاتا ہے جبکہ جمعہ کے روز خواتین کی بڑی تعداد آتی ہے اور بعد میں خواتین گلیوں چوکوں میں تبلیغ کرنے جاتی ہیں جبکہ جمعہ کے روز اکثر علاقے کے رہائشیوں اور قادیانی ارتدادخانہ کی انتظامیہ میں تلخ کلامی اور جھگڑے ہوتے ہیں کیونکہ جمعہ کے روز قادیانی ارتدادخانہ میں رش ہوتا ہے اور اطراف کی سڑکوں پر موٹر سائیکلیں کھڑی کرکے پارکنگ کھڑی کرکے سڑکیں بند کردی جاتی ہیں اور قادیانی ارتدادخانہ آنے والوں کے علاوہ کسی کو گلی میں نہیں جانے دیتے، جس کی وجہ سے جھگڑے بھی ہوجاتے ہیں۔

مذکورہ ارتدادخانہ میں ماہ رمضان کے دوران تبلیغی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی ہیں اور غریب افراد میں راشن دینے اور عید گفٹ دینے کی آڑ میں تبلیغ بھی کی جارہی ہے۔ ارتدادخانہ سے متصل فضل عمر میموریل ڈسپنسری بھی تبلیغی مرکز کی حیثیت اختیار کرچکی ہے۔ یہاں پر دس روپے کی پرچی میں ہر بیماری کا علاج کرتے ہیں اور ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں۔

گلشن حدید قادیانیوں کی تبلیغ سرگرمیوں کے حوالے سے مشہور ہے۔ یہاں پر قادیانیوں کا قبرستان بھی بنایا گیا ہے۔ شہر بھر میں مرنے والے قادیانی افراد کو یہاں پر دفن کیا جاتا ہے جبکہ یہاں کھلے عام خواتین اور مردوں کی ٹولیاں قادیانیت کی تبلیغ کرتی ہیں اور گھروں میں لٹریچر بانٹتی ہیں جبکہ مفت راشن بانٹنے اور گفٹ دینے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

ماہ رمضان میں بھینس کالونی کے علاقے لیبر کالونی اور دیگر علاقوں میں بھی قادیانی بڑے پیمانے پر تبلیغی سرگرمیوں میں معروف ہیں۔ لیبر اسکوائر کے رہائشیوں نے بتایا کہ سفید رنگ کی ہائی روف میں ممتاز نامی شخص اور دیگر افراد آتے ہیں اور ان کے ساتھ خواتین بھی ہوتی ہیں جو خود کو سماجی تنظیم کا کارکن بتاتے ہیں۔ کبھی یہ غریب بستی میں راشن تقسیم کرتے ہیں اور کبھی معلوم کرتے ہیں کہ کسی کے مسائل ہوں تو وہ بتائیں۔ علاج معالجے کے حوالے سے بھی پوچھتے ہیں جبکہ مدد کی آڑ میں قادیانیت کا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔

اطلاعات کے مطابق نیو کراچی سیکٹر 5/C1 میں قادیانیوں کا تبلیغی نیٹ ورک بہت مضبوط ہوگیا ہے۔ یہاں مرزا اسلم نامی شخص خاصا فعال ہے۔ وہ سرجانی ٹاؤن کے علاقوں سے بھی لوگوں کو گھیر کر یہاں پر لاتا ہے جبکہ گلی کوچوں میں خواتین بھی کھلے عام قادیانیت کی تبلیغ کرتی ہیں۔ مواچھ گوٹھ میں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیاں چند ماہ قبل شروع ہوئی تھیں اور ماہ رمضان میں بہت بڑھ گئی ہیں۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

ماحی رفض و تفضیل و نصب و خروج
حامی دین و سنت پہ لاکھوں سلام

امیر المؤمنین، خلیفہ چہارم، داماد رسول سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ: وصال: ۲۰ رمضان المبارک ۴۰ھ

جبل ابو قبیس۔ اس پہاڑ کے قریب ہی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جسے نجدی حکومت نے بلڈوز کر دیا

جامع مسجد کوفہ (عراق) میں شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا منبر یہاں سے آپ قرآن و سنت کے موتی بکھیرتے ہوں گے

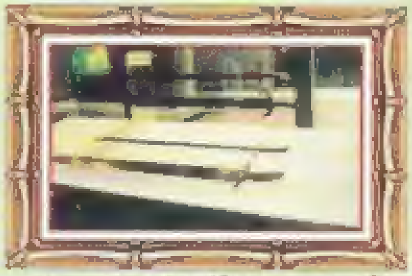

فاتح خیبر، شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تلوار مبارک۔ اس تلوار سے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے جانے کتنے کافروں کا علاج ہوا ہوگا

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منسوب کلہاڑی

خیبر کے قلعہ قموص کے پیچھے موجود محراب۔ اسی مقام پر شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو واصل جہنم کیا تھا جو ہزار سواروں کے برابر بہادر سمجھا جاتا تھا

محراب امیر المؤمنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جہاں امیر المؤمنین نماز ادا کیا کرتے تھے۔ محراب کے متصل ہی وہ مقام ہے جہاں ازلی بدبخت ابن ملجم ملعون نے حضرات حسنین کے بابا جان سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا تھا

کوفہ میں موجود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب گھر کا وہ کمرہ جہاں آپ لوگوں سے ملاقات فرماتے تھے۔ اسی جگہ اللہ تعالیٰ کے اس شیر کو شہادت کے بعد غسل دیا گیا

نجف اشرف (عراق) میں خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک

بنتِ صدیق آرام جانِ نبی
اس حریم برأت پہ لاکھوں سلام

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پُرنور صورت پہ لاکھوں سلام

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وصال: ۱۷ رمضان ۵۸ھ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک کا دروازہ جس سے
رحمت دو عالم ﷺ کی مسجد نبوی میں آمد و رفت ہوتی تھی

یہ دروازہ "باب وفود" کے نام سے معروف تھا اب نجدی حکومت نے اس
دروازے کے آگے الماریاں رکھ دی ہیں جس کی وجہ سے یہ دکھائی نہیں دیتا

حجرہ سیدہ کے دروازے کا قفل جس پر قصیدہ بردہ شریف کا شعر درج ہے

ستون عائشہ سیدہ رضی اللہ عنہا ستون قرعہ بھی اس مبارک ستون کے آگے کے
متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر لوگ اس کی فضیلت سے واقف ہو جائیں تو [illegible]
قرعہ [illegible] سے حاصل کریں

مسجد تنعیم یہاں سے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام
کی نیت فرمائی تھی۔ حدود حرم میں سب سے نزدیک یہی حرم ہے

جنت البقیع میں سیدہ عائشہ صدیقہ اور دیگر امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی قبور مبارکہ
۱۹۲۶ء سے قبل [illegible]
[illegible]

مسجد نبوی کے پڑوس میں جنت البقیع کا [illegible] منظر۔ ہزاروں صحابہ کرام
و صحابیات رضی اللہ عنہم اور دیگر ائمہ یہاں آرام فرما ہیں

مسجد نبوی کے سامنے میں جنت البقیع کا دلفریب نظارہ
درمیان میں زائرین کی گزرگاہ بھی واضح ہے